ماہنامہ
جولائی 2024ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا اِسی واں سال
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ
کی خواہش پر 1938ء سے شائع
ہونے والا ماہنامہ

میں سلیم! تمہیں اپنا سینہ چیر کر درد و کرب کی ان تلاطم خیزیوں کو کس طرح دکھاؤں جنہوں نے مجھ پر راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر رکھا ہے سلیم!

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں مرے نالۂ نیم شب کا نیاز

تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں پاکستان کے وسیع وعریض خطہ پر نگاہ ڈالتا ہوں تو عام طور پر یہ دیکھتا ہوں کہ

نہ کہیں لذّتِ کردار نہ افکارِ عمیق

اور ایک ٹھنڈی سانس سے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ

آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

(سلیمؑ کے نام خطوط، پرویزؒ)

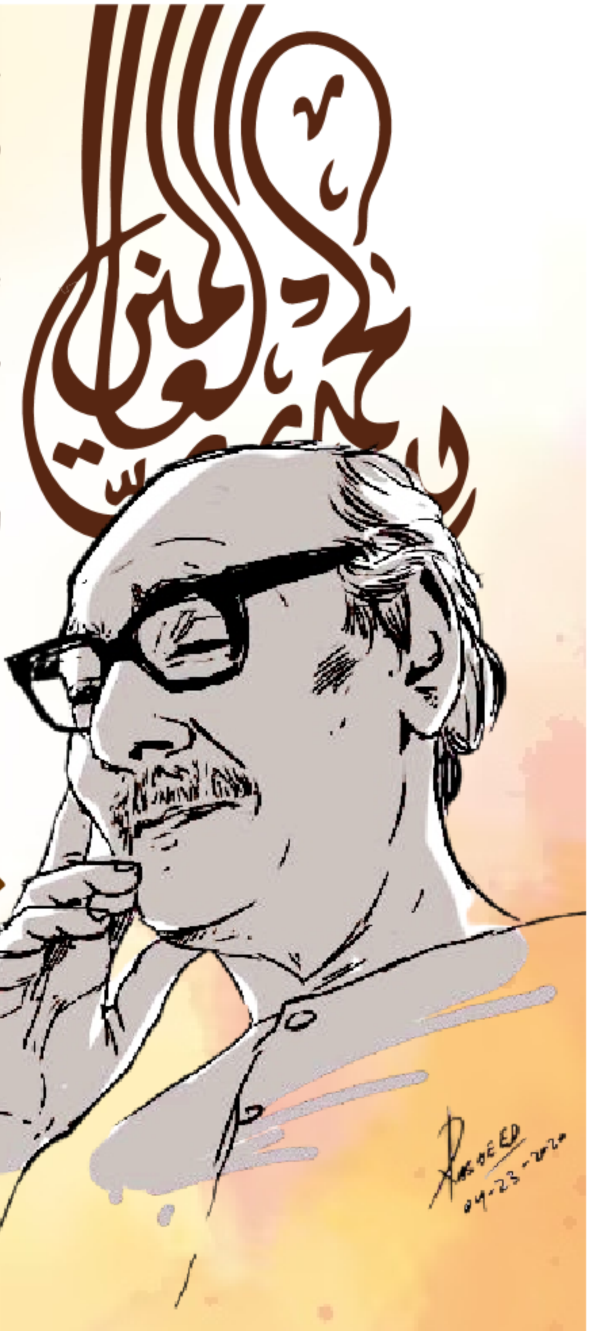

پرویز اور قرآن

09 جولائی 1903ء
24 فروری 1985ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پرویز صاحب کے علمی اسلوب تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبالؒ ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

-1 عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

-2 قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثرانداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

-1 وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

-2 وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

-3 وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
جولائی 2024ء

جلد 77 | شمارہ نمبر 7

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: صحرا میں اذان (2) اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش	ادارہ	3
ارشاداتِ صدارت	ڈاکٹر سید عبدالودود	8
میں نے اس درس سے کیا پایا؟	محمد اسلام	12
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے	ظفر عباس قریشی	20
بیادِ غلام احمد پرویز	عبدالعزیز خالد	23
اب بات سمجھ میں آئی	رشیدہ صلاح الدین	24
شرح جاوید نامہ (قرآنِ کریم کی روشنی میں)	علامہ پرویز علیہ الرحمۃ	26
اقبالؒ کا شاہین ہو کہ پرویزؒ کا سلیم	نفیسہ فریال چاہل	60

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions	For International Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672	IBAN:PK36NBPA0465004073177672 Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشربِ نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

صحرا میں اذان

اس وقت ساری دنیا' اپنے اپنے غلط نظامہائے زندگی کے انسانیت سوز نتائج وعواقب سے تنگ آ کر' ایک نئے نظام کی تلاش میں' مضطرب و بے قرار پھر رہی ہے۔ چونکہ ان اقوامِ عالم کے سامنے وحی کی روشنی نہیں اس لئے وہ اپنے ظن وتخمین کی وادیوں میں اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی کا سر پھٹتا ہے' کسی کی ہڈی پسلی ٹوٹتی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اگلی لاٹھی کدھر سے اٹھے گی اور کس کے جا لگے گی۔ دنیا میں' اس سے قبل' شاید ہی کوئی دور ایسا آیا ہو جس میں پوری کی پوری انسانیت' اپنے بنائے ہوئے زندان سے نکلنے کے لئے اس طرح تڑپ رہی ہو۔ غور کیجئے کہ ان حالات میں' اس قوم پر جسے وراثتِ کتاب کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور جسے ضابطۂ قوانینِ خداوندی کا امین بنایا گیا تھا' کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن اس قوم کی حالت یہ ہے کہ وہ خدا کے عطا فرمودہ جگمگاتے ہوئے چراغ کو تہِ دامن چھپائے بیٹھی ہے اور اس طرح خود بھی اس کی روشنی سے محروم ہے اور باقی دنیا کو بھی اندھیرے میں رکھے ہوئے ہے۔ اگر اسے تعلّی پر محمول نہ کیا جائے (بلکہ تحدیث نعمت سمجھا جائے) تو یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ اس وقت ساری دنیا میں صرف طلوعِ اسلام اس آواز کو بلند کر رہا ہے کہ اس ''یدِ بیضا'' کو پھر سے آستین سے باہر نکال کر دنیا کو بقعۂ نور بنا دو تاکہ اسکی روشنی میں تم بھی جانب منزل جادہ پیما ہو سکو اور تمہارے پیچھے پیچھے باقی دنیا بھی امن و عافیت کی جنت کی طرف گامزن ہو جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ آواز اس وقت بڑی کمزور ہے اور اس کا حلقہ بڑا محدود۔ لیکن اسے صورِ قیامت بنا دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آواز فی الواقعہ حق اور صداقت کی آواز ہے تو اسے نشیدِ کامرانی بنانے میں جو مدد بھی آپ کر سکیں گے وہ قرآنی نظام کے قیام کی راہ میں ایک قدم آگے بڑھانے کے مرادف ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے قطرے' دریا بن جاتے ہیں اور افراد' کارواں کی صورت اختیار کر کے' راستہ کی پرخطر گھاٹیوں سے محفوظ و مصئون' جانبِ منزل رواں دواں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ ہم افراد سے زیادہ' ان اداروں کی توجہ بھی اس نقطہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں' جو قرآنی نظام کی تشکیل کو اپنا مطمحِ نگاہ سمجھتے ہیں' کہ اگر آپ اس سے متفق ہیں کہ طلوع اسلام کا قدم صحیح راہ پر اٹھ رہا ہے' تو الگ الگ' منتشر کوششوں کی بجائے' وہ اسی کو اپنی سعی وعمل کا مظہر کیوں نہ بنا لیں؟ اس سے' اس منزل کی طرف جانے والے تمام افراد کے لئے وحدتِ مرکز اور ہم آہنگی فکر وعمل پیدا ہو جائے گی جو نظامِ قرآنی کے لئے اصل و بنیاد ہے۔ ابتداءً نیتیں کتنی ہی نیک اور دل کیسے ہی پرخلوص کیوں نہ ہوں' الگ الگ مراکز سے' آگے چل کر' الگ الگ فرقے بن جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ طلوعِ اسلام کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ اس لئے یہ قرآنی نگاہ رکھنے والے تمام افرادِ ملت کے خیالات کا ترجمان ہے۔ بنا بریں' اس نہج کے لکھنے والے اسی میں لکھیں اور ان خیالات کو پھیلانے کا

جذبہ رکھنے والے اسی کو پھیلائیں۔اس سے اس قرآن برادری کے افراد تشتتِ فکر ونظر اور انتشارِ سعی وعمل سے بچ جائیں گے۔

بہر کیف' افراد ہوں یا ادارے' جو بھی طلوعِ اسلام کے مقصد سے متفق ہوں' ان کی ہر کوشش' اس آواز کو آگے بڑھانے کا موجب اور اس تحریک کی تقویت کا باعث ہوگی۔اس باب میں ہمیں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو اسے اپنا فریضۂ حیات سمجھتا ہے وہ ازخود اس میں شرکت کرے گا۔ جو ایسا نہیں سمجھتا' اس سے کچھ کہنا بیکار ہے۔ بیکار ہی نہیں بلکہ اس کی کوئی امداد (جو بہر حال طوعاً نہیں بلکہ کرہاً ہوگی) اس تحریک کی راہ میں الٹا روڑا بن کر اٹک جائے گی' جس طرح مجبوراً ساتھ چلنے والے کا ساتھ' ہمرہانِ سفر کے لئے' زنجیرِ پا بن جایا کرتا ہے۔ بطیب خاطر چلنے والے آئیں اور راہ نوردانِ شوق کے اس قافلے میں شامل ہو جائیں جو سر میں سودائے عشق' دل میں ذوقِ تجسس' نگاہوں میں کیفِ آرزو اور ہاتھ میں قندیلِ قرآنی لئے' ستاروں کی سی خاموشی اور نرم روی سے' بے ساز و یراق جانبِ منزل بڑھے چلا جا رہا ہے۔ زادِ راہ کی کمی' مخالفتوں کا ہجوم' حالات کی نامساعدت چھلاوے بن بن کر ڈرا رہی ہے لیکن افق کے اُس پار سے آنے والی ایک بے صوت صدا ہے جو نغمۂ جبریل کی طرح یہ کہتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ (41:30-33)

مفہوم: (30) (یہ تو رہی حق وصداقت سے انکار کرنے والوں کی بات۔ ان کے برعکس) جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا' اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں' اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لئے باعثِ تقویت بنتی ہیں 33:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (3:124-125; 8:10-12; 46:13)۔ (31) ہم اِس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔ (اس لئے تمہیں یہ جنتی زندگی' اس دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی)۔ اس جنتی زندگی میں وہ سب کچھ ہوگا جسے تمہارا جی چاہے گا اور وہ سب کچھ ملے گا جسے تم طلب کرو گے۔ (جو چاہو گے' ہوگا۔ جو مانگو گے' ملے گا۔ یہ ہوگا نتیجہ تمہارے یقین محکم اور عمل پیہم کا)۔ (32) اور یہ سب کچھ ایسی عزت وتوقیر کے ساتھ ملے گا جیسے میزبان' اپنے مہمان کی تواضع کرتا ہے۔ اس میں' خدا کی طرف سے' زندگی کے خطرات سے حفاظت کا سامان بھی ہوگا' اور سامانِ نشوونما بھی۔ (33) اس کے بعد بتاؤ کہ اس شخص کی بات سے زیادہ حسین اور جاذب بات اَور کس کی ہو سکتی ہے' جو لوگوں کو قانونِ خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اور (اس طرح اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے کہ) وہ ان میں سے ہے جو قوانین خداوندی کے اطاعت گزار ہیں۔

②

اور عیّار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

افراد ہوں یا اقوام‘ ان کی زندگی کا راز محاسبۂ خویش (Self-Criticism) میں مضمر ہوتا ہے۔ اگر کوئی فرد اپنے محاسبہ کی طرف سے غافل ہو جائے تو اسے معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اسے اندر ہی اندر کون سی بلائیں گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ اسی طرح اگر ایک قوم محاسبہ خویش سے آنکھیں بند کر لے تو وہ اپنے آپ کو خطرات سے محفوظ رکھ ہی نہیں سکتی۔ ہم نے صدیوں سے محاسبۂ خویش کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر جب کوئی حادثہ گزرتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم یہ سوچیں کہ ہم میں وہ کون سی کمزوری تھی جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت کی آماجگاہ بن گئے۔ ہم فریق مخالف کو کوسنے بیٹھ جاتے ہیں۔۔۔ بغداد کی تباہی‘ ہماری تاریخ کا بہت بڑا الم انگیز حادثہ تھا لیکن ہم اس سے اتنا کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ سب تاتاریوں کی وحشت سامانیوں اور ہلاکت آفرینیوں کی وجہ سے ہوا۔ ہلاکو بڑا ظالم‘ وحشی اور خونخوار تھا۔ گویا اس تباہی میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ جرم سارا ہلاکو کا تھا۔ یا مثلاً۔۔ جب ہندوستان میں 1857ء کی انقلاب انگیز تباہی ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے میں صرف کر دیتے ہیں کہ انگریز بڑا عیار تھا‘ ہندو بڑا غدار تھا۔۔۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہم میں وہ کونسی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے ہم انگریز کی عیاری اور ہندو کی غداری کا شکار ہو گئے۔ یاد رکھئے! جس کے اپنے اندر زندہ رہنے کی قوت ہے‘ اسے باہر کا کوئی دشمن مار نہیں سکتا۔ دشمن تو صرف فریق مخالف کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گِدھ‘ جانوروں کی لاش پر امنڈ کر آتے ہیں۔ زندہ جانوران کی...... آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے رہتے ہیں‘ وہ ان پر جھپٹنے کی کبھی جرأت نہیں کرتے۔ موت خود ہمارے اپنے اندر سے اُبھرتی ہے۔ باہر سے تو اس کے صرف محسوس اسباب پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ جب تک پرندے کے بازوؤں میں اُڑنے کی قوت ہے‘ کوئی شکاری اسے اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتا۔ لیکن ؎

جہاں بازو سمٹتے ہیں‘ وہیں صیّاد ہوتا ہے

فطرت کا اٹل قانون یہ ہے کہ

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

اور یہ تفسیر ہے اس اصل الاصول کی جسے خدا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ؕ (13:11)

یہ حقیقت ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کر لے۔
دوسری جگہ کہا کہ:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (42:30)

تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

اس لئے ہم پر جب کوئی مصیبت آئے تو ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر وہ کون سی خرابی اور کمزوری تھی جس کی وجہ سے ہم اس طرح گرفتارِ بلا ہو گئے۔

پھر ہم میں سے اکثر لوگ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ صاحب! بات یہ ہے کہ مسلمان بڑا صاف دل واقعہ ہوا ہے اس لئے یہ دھوکا کھا جاتا ہے لیکن دھوکا کھا جانا کون سی خوبی ہے؟ فطرت کی میزان میں جس طرح دھوکا دینا جرم ہے اسی طرح دھوکا کھانا بھی جرم ہے۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص نے کہا تھا کہ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا' تو آپ نے کہا تھا کہ بات ادھوری نہ چھوڑو۔ اسے پورا کرو۔۔۔ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے' نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے۔ مسلمان میں صفاتِ خداوندی منعکس ہونی چاہئیں۔ خدا کسی کو دھوکا نہیں دیتا اور کوئی شخص خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ خدا نے' اس سلسلہ میں جماعتِ مومنین کو خود اپنے ساتھ قوسین (Brackets) میں رکھا ہے۔ جب کہا ہے کہ۔۔۔۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ --- یہ لوگ خدا کو اور مومنین کو دھوکا دینا چاہتے تھے--- وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ --(2:9) یہ لوگ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا اور مومنین کو دھوکا نہیں دے سکتے'۔۔ اس لئے کسی سے دھوکا کھا جانا' خوبی کی بات نہیں۔ ہماری یہی کمزوری تھی اور ہے جس کی بنا پر اقبالؔ نے کہا تھا کہ ؎

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیّار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

کاروبار کیسا بھی ہو اس کو فروغ دینے میں ویب سائٹ نہایت کارآمد ہے۔
ہر طرح کی ویب سائٹ بنوانے کے لئے ہم سے رجوع کریں۔
تعلیمی، قانونی، آن لائن سٹور، سفریات، کھیل، ہوٹل، ہوم ڈیلیوری، ذاتی وغیرہ
مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کریں یا ویب سائٹ وزٹ کریں
Jamshed Tech
WhatsApp: +92 335-7651490
https://www.jamshedtech.com

ڈاکٹر سید عبدالودود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ارشاداتِ صدارت

مذاکرہ کے اختتام پر، صدر محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے حسب ذیل فرمودات ارزاں فرمائے

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ﴿۸۲﴾ (4:82)

بھلا یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

خواتین وحضرات! اگر ایک فقرے میں بیان کرنا چاہوں کہ میں نے درسِ پرویزؔ سے کیا پایا تو میں کہوں گا کہ میں نے اس سے قرآن کا ربط پایا۔ ہزار سال سے قرآن بے ربطگی کا شکار چلا آرہا تھا۔ کسی تفسیر کو اٹھا کر دیکھئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جا بجا اختلاف ہے۔ قرآن کی بے ربطگی ایک مسلمہ بن چکی تھی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ آیات وسورِ قرآنی کی ترتیب حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے بعد کی پیداوار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدتوں سے قرآن سازشوں کے پردوں کے اندر چھپا ہوا تھا۔ جناب پرویز نے ان پردوں کو تار تار کیا۔ پردوں کا اٹھنا تھا کہ قرآن کے بنیادی تصورات درخشندہ ستاروں کی طرح سامنے آ گئے اور بنیادی تصورات سامنے آنے کے بعد قرآن کی تعلیم کا ربط اور حُسن برابر دس سال تک اپنی شعاعیں بکھیرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے بعد نہ کوئی بے ربطگی نظر آئی نہ اختلاف باقی رہا۔

میرے لئے یہ بیان کرنا کہ میں نے درسِ پرویزؔ سے کیا پایا، بڑا آسان اور بڑا مشکل ہے۔ آسان اس لئے ہے کہ جب چاہوں اس موضوع پر کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مشکل اس لئے کہ پونے چار صد درسوں میں سے چند ایک کو چھوڑ کر سب کا ایک ایک نکتہ بلکہ اکثر الفاظ میں نے قلمبند کئے ہیں۔ درسِ پرویزؔ نے میری جھولیاں بھر دی ہیں اور اتنا کچھ دیا ہے کہ میں اس کو اٹھانے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر ان نکات کو جمع کرنا شروع کروں، تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ میں نے 25 جولائی 1965ء کے روز 'نصف قرآنِ کریم ختم ہونے پر' بھی اسی موضوع پر ایک مقالہ پیش کیا تھا جس میں قرآن کے چند بنیادی تصورات کا ذکر کیا گیا تھا۔ آج بھی یہی ارادہ رکھتا تھا کہ اسی سلسلہ میں کچھ بیان کروں، لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے اس وقت یہ ممکن نہیں۔ 1960ء میں طلوعِ اسلام کنونشن سے غالباً یہ میرا پہلا خطاب تھا۔ اس وقت بھی میں نے کہا تھا کہ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ طلوعِ اسلام سے تمہیں کیا ملا تو میں کہوں گا کہ مجھے طلوعِ اسلام سے Clear Thinking ملی۔ اور اس

موقعہ پر میں نے ایک واقعہ بھی بیان کیا تھا۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ تقسیمِ ملک سے پہلے قائداعظمؒ نواب بھوپال سے ملنے گئے۔ واپسی پر نواب صاحب نے اپنے ایک سیکرٹری مسٹر یسین کو قائداعظمؒ کے ساتھ بھیجا۔ دورانِ گفتگو میں اس نے قائداعظم سے سوال کیا کہ جناب ملک کی فضا اس وقت بہت خراب ہے۔ ہر طرف افراتفری اور بے چینی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟ قائداعظمؒ نے کہا کہ مسٹر یاسین! آپ خود ہی بتایئے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس نے کہا۔ جناب میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستانی قوم کے اندر (Clear Thinking) نہیں رہی۔ قائداعظمؒ نے کہا۔ مسٹر یاسین! میں اس وقت سیدھا بمبئی جا رہا ہوں۔ اگر واپسی پر نواب صاحب کے پاس جانا ہوتا تو ان سے کہتا کہ آپ کو بہت بڑی جاگیر بخش دیں۔ حضرات! قوم کے اندر (Clear Thinking) کا پیدا ہونا کوئی معمولی چیز نہیں۔ اور آج جہاں تک فکرِ قرآنی کا تعلق ہے، اس کا سہرا محترم پرویزؒ صاحب کے سر ہے اس ضمن میں مجھے اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کس طرح ہمارے سیاسی اور مذہبی لیڈروں نے قومی ذہن میں انتشار پیدا کیا۔

درسِ پرویزؒ کا نفسیاتی اثر:

حضرات! محترم پرویز صاحب نے 1958ء میں قرآن کے بنیادی تصورات بیان کرنے شروع کئے اور 18 ستمبر 1960ء کے روز باقاعدہ درسِ قرآن کا آغاز ہوا۔ میں آج بے حد خوش ہوں کہ آج سے 9 برس پیشتر درس میں حاضری کا جو پروگرام میں نے بنایا تھا، اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود اسے بخیر وخوبی نبھا سکا ہوں۔ لیکن اس خوشی کے ساتھ میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ شاید اب درس ختم ہونے کے بعد میں بوڑھا نہ ہو جاؤں۔ جب درس شروع ہوا، میں نے جوانی سے نکل کر بڑھاپے میں قدم رکھا تھا۔ لیکن آج درس ختم ہونے کے بعد میں پھر سے جوان ہوں۔ ممکن ہے آپ کہیں گے کہ میرے بال سفید ہو گئے ہیں یا میں کمزور نظر آ رہا ہوں۔ لیکن برادران! انسان بالوں کی سفیدی سے نہیں، دل کی موت سے مرا کرتا ہے۔ ہمارے میڈیسن والوں کا کہنا ہے (The Worst Tragedy of old age is Depression.) اور یہ حقیقت ہے کہ جوں جوں انسان عمر میں آگے بڑھتا جاتا ہے، زندگی میں دلچسپی کم ہوتی جاتی ہے۔ پچھلے دنوں ایک شادی پر جانے کا مجھے اتفاق ہوا۔ بڑی ٹھاٹھ باٹھ کی شادی تھی۔ ہر طرف خوشی اور حرکت کے آثار نمایاں تھے لیکن دو بزرگوں کو میں نے دیکھا کہ بغیر کسی کے ساتھ بات کئے ڈیڑھ گھنٹہ تک بیٹھے ایک ہی طرف دیکھتے رہے اور آخر میں اُٹھ کے چل دیئے۔ بڑھاپے میں زندگی سے دلچسپی کیوں ختم ہو جاتی ہے؟ اوّل اس لئے کہ عمر کے ساتھ ساتھ زندگی کی اقدار بدلتی جاتی ہیں۔ جوانی میں بچپن کی چیزوں کی قدر و قیمت نہیں رہتی اور بڑھاپے میں جوانی کی چیزیں بے کار نظر آتی ہیں۔ اس سے آگے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے (Depression) شروع ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع میں انسان کی اپنی زندگی کے ساتھ بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ میں یہ کروں گا، میں وہ کروں گا۔ لیکن جب زندگی کا آخری سرا نظر آنا شروع ہو جاتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ میں نے کیا کرایا تو کچھ بھی نہیں۔ بس (Depression) شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض

کامیاب انسان زندگی میں بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ لیکن عام انسان بس یونہی وقت گزار کر چل دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی وجہ ہے کہ عام آدمی کی زندگی کا منتہائے مقصود مال جمع کرنا ہوتا ہے اور یہ ھل من مزید کا جذبہ تمام عمر ختم نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں حرص تو باقی رہتی ہے لیکن سکت باقی نہیں رہتی۔ بس (Depression) شروع ہوجاتا ہے۔

لیکن برادران! جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے‘ محترم پرویزؔ صاحب کی رفاقت، ان کے درس میں سالہا سال تک حاضری، اور کانوں میں قانونِ مکافاتِ عمل کی مسلسل آواز۔ یقین جانئے کہ میں ان تمام عناصر کو جو بڑی عمر میں انسان کی نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں‘ برابر روندتا ہوا چلا گیا۔ قرآن کی رُو سے مایوسی کفر ہے۔ چنانچہ مایوسی کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ اب میں ایک مطمئن انسان ہوں۔ ایسا مطمئن کہ جوانی اور بڑھاپا تو ایک طرف میں سمجھتا ہوں کہ اب موت بھی آئے گی تو کسی اور انداز سے آئے گی۔ اور جب قرآن کہتا ہے کہ زندگی جوئے رواں ہے تو موت آنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟

درسِ پرویزؔ کا کردار پر اثر:

حضرات! میں پہلے بھی چند ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ اس درس میں قانونِ مکافاتِ عمل کی آواز مسلسل کانوں میں پڑنے کے بعد میری حتیٰ الوسع کوشش یہ رہی ہے کہ اپنے ذاتی معاملات میں عدل کو ملحوظ رکھوں۔ واجبات جو میرے ذمے ہوں‘ ان کو دیانتداری سے ادا کروں۔ اور میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے اس درس میں حاضری کے بعد کبھی گورنمنٹ ٹیکسز ادا کرنے میں بھی خیانت نہیں کی۔ میں اس گھر سے تعلق رکھتا ہوں جہاں خاندانی برتری کے احساسات وروایات مدتوں سے متوارث چلے آرہے تھے۔ تعلیم قرآن اور خود محترم پرویزؔ صاحب کا اشارہ تھا کہ یہ غلط ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اپنے خاندان سے باہر کی۔ لیکن میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ مجھے حقیقتاً اس بات کا احساس ہوا کہ قرآنی نظریات کا زبانی اقرار کتنا سہل ہوتا ہے۔ اور ان نظریات کی بنا پر اپنے دماغ کے بت خانے میں رکھے ہوئے کسی بت کو توڑنا کتنا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔

حضرات! مجھے ان معروضیات سے ہرگز یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ میں کوئی بڑا متقی انسان بن گیا ہوں۔ ابھی دماغ کے بت خانے میں بیسیوں بُت موجود ہیں ___ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ۔ قُلِ الۡعَفۡوَ ___ کا مرحلہ تو کوسوں دور ہے‘ عوام الناس کی کمیاں دور کر کے معاشرے میں حُسن پیدا کرنا تو ابھی دور کی بات ہے‘ میں تو ابھی تک یہ بھی نہیں کر سکا کہ اپنے گھر کے ملازموں کے ساتھ برابری کا سلوک کر سکوں۔ میرے گردوپیش رہنے والے میرے ساتھ بیٹھ کر وہی کچھ کھائیں جو میں کھاتا ہوں، وہی پہنیں جو میں پہنتا ہوں۔ قرآن کی تعلیم سامنے آنے کے بعد میں اپنی ان کوتاہیوں پر شرمسار ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں ان کو دور کر سکوں۔

یہ ہے وہ تبدیلی‘ جو درسِ پرویزؔ نے میرے قلب میں پیدا کی۔ باقی رہی نگاہ کی تبدیلی۔ وہ میں آج سے چند برس پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بڑے بڑے مفکر اور بڑے بڑے لیڈر جو پہلے بڑے بھاری بھرکم انسان نظر آتے تھے اب بَونے نظر آتے ہیں۔

حضرات! جناب پرویزؔ نے قرآنی حقائق پر سے پردے اٹھا دیئے ہیں اور قرآنی حقائق کا یہ عالم ہے کہ جوں جوں پردے اٹھتے جاتے ہیں ان کی وسعتیں اور زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اب یہ ذمہ داری سامعینِ درسِ پرویزؔ پر عائد ہوتی ہے کہ ان کو جو راستہ دکھایا

گیا ہے اس کو مزید (Explore) کرتے جائیں۔ قرآنی مطالب میں مزید تحقیقات کے لئے مختلف علوم کے ماہرین کے ٹیم ورک کی ضرورت ہے۔ اور خاص کر سائنس دانوں کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔

دعا:

میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اے ربّ العالمین! تحقیقِ علم قرآن کے جس پودے کو محترم پرویزؒ صاحب نے بویا ہے، تو اس کی آبیاری کر۔ تاکہ یہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا ایک تناور درخت بنتا جائے اور آنے والی نسلیں اس سے ہمیشہ ہمیشہ مستفید ہوتی رہیں۔

یا اللہ!___ ہم گواہ ہیں کہ محترم پرویزؒ نے مسلسل دس سال تک تیرے پیغام کو نکھار ابھار کر ہم تک پہنچایا ہے۔ ہم گواہ ہیں کہ دس سال تک تیرے قرآن کی آواز تیرے پرویزؒ کی زبان سے نکل کر گنبدِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل بنتی رہی ہے۔

یا اللہ!___ ہم گواہ ہیں کہ محترم پرویزؒ نے ہمیں صحیح معنوں میں مقامِ محمدی ﷺ سے آشنا کیا اور تیرے رسولوں علیہم السلام کی عظمت، وقار اور محبت کو ہمارے دلوں میں دہ چند کر دیا۔

یا اللہ!___ تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ دنیا میں محمد ﷺ کے جھنڈے کو اس مقامِ بلند تک پہنچا سکیں جہاں وہ خود حضور ﷺ کے زمانے میں تھا۔

یا اللہ!___ محترم پرویزؒ نے تیری اور تیرے رسولوں علیہم السلام کی اطاعت اور نظامِ صلوٰۃ کے قیام کو جس انداز سے واضح کیا ہے، تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اس پر عمل پیرا ہو سکیں۔

یا ربّ العالمین!___ محترم پرویزؒ نے ہمیں تیری صفتِ ربوبیت اور تیرے نظامِ ربوبیت کے صحیح مفہوم سے آگاہ کیا۔ تو ہمیں توفیق دے کہ ہمارے قدم عملی طور پر نظامِ ربوبیت کے قیام کی طرف اٹھیں۔

یا اللہ!___ ہم گواہ ہیں کہ مسلسل دس سال تک محترم پرویزؒ نے تیرے قانونِ مکافاتِ عمل کو مختلف پہلوؤں سے اُجاگر کر کے ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ یا اللہ! تو سمیع و بصیر ہے۔ اب اس کے بعد ہمارے اعمال میں جو سیئات ہوں گی وہ ہماری اپنی طرف سے ہوں گی اور جو حسنات ہوں گی وہ تیرے قرآن اور تیرے رسول ﷺ کی رہنمائی، اور محترم پرویزؒ کی جہدِ مسلسل کا نتیجہ ہوں گی۔

یا اللہ!___ تو نے اپنے قرآن پر توجہ دینے کے لئے ہمیں استقلال عطا فرمایا۔ اب تو ہمیں توفیق دے کہ ہمارے اعمال اس بات کی گواہی دیں کہ ہم تیرے شکر گزار بندے ہیں۔

یا اللہ!___ تو ہمیں توفیق دے کہ محترم پرویزؒ کی دس سال کی محنتِ شاقہ نے ہم سے تیرے پیغام پر عمل پیرا ہونے کا جو خاموش وعدہ لیا ہے، ہم اس سے وفا کر سکیں۔

آخر میں دعا کروں گا کہ یا اللہ! اس قافلۂ شوق کے جن ہمسفروں کو موت نے ہم سے بچھاڑ دیا ہے تو اُن کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (2:127)

(مطبوعہ: ماہنامہ طلوعِ اسلام فروری 1968ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے اس درس سے کیا پایا؟

محترم محمد اسلام صاحب (سابقہ نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام کراچی)

پرویز صاحب کا ہفتہ واری درسِ قرآنِ کریم تو لاہور میں ہوتا ہے لیکن یہی درس، بذریعہ ٹیپ ریکارڈ، اسی التزام اور پابندی سے، سندھ اسمبلی ہال کراچی میں بھی وجۂ بصیرتِ سامعین بنتا ہے۔ یہ درس، بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کے زیرِ اہتمام ہوتا ہے۔

اس درس کا سلسلہ 2 جون کو تکمیل تک پہنچا تو بزمِ کراچی نے، بارگہِ ایزدی میں سجدۂ شکرانہ کے لئے ایک جشن کا اہتمام کیا۔ اس تقریب پر، بزم کراچی کے قابلِ فخر نمائندہ محترم محمد اسلام صاحب نے ایک مقالہ میں بتایا کہ انہوں نے اس درس سے کیا پایا ہے وہ مقالہ بہ مسرت پیشِ خدمت قارئین کیا جاتا ہے۔ (طلوعِ اسلام جولائی 1968ء)

حاصلِ عمر ہیں وہی لمحے تیری محفل میں جو گزار چلے

جنابِ صدر، خواتین وحضرات!

محترم پرویزؔ صاحب کی عمر کا بیشتر حصہ قرآنِ کریم پر غور وفکر کرنے اور اس فکر کو دوسروں تک پہنچانے میں گزر رہا ہے۔ اس فکر کو دوسروں تک پہنچانے کے مختلف ذرائع میں سے ایک ذریعہ درسِ قرآنِ کریم بھی ہے۔ قرآنِ کریم کا مسلسل درس دینے کا سلسلہ موصوف نے 18 ستمبر 1960ء کو شروع کیا تھا اور الحمدللہ کہ یہ سلسلہ 31 دسمبر 1967ء کو بہ حسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہے جس کا آخری درس آپ حضرات نے ابھی سماعت فرمایا ہے۔

حضرات! انسان کی زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بیتے ہوئے دنوں کا ماحصل اور آنے والی باقی زندگی کی اُمیدوں کا سہارا کہا جاسکتا ہے۔ آج کی یہ تقریبِ سعید میرے لئے اسی نوعیت کی حامل ہے۔

آپ اگر مجھ سے پوچھیں کہ میری بیتی ہوئی زندگی کا ماحصل اور باقی زندگی کی اُمیدوں کا سہارا کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ میری بیتی ہوئی زندگی کا ماحصل میرے باباجی (پرویزؔ صاحب) ہیں اور باقی زندگی کی اُمیدوں کا سہارا قرآنِ کریم کا وہ خدا ہے جس سے میرے باباجی نے مجھے متعارف کرایا ہے۔

قرآنِ کریم کے خدا سے متعارف کراتے ہوئے پرویز صاحب نے بتایا کہ جب سے انسان میں تمدنی شعور بیدار ہوا۔ خدا کی طرف سے بوساطت انبیاء کرام وحی کی رہنمائی آنی شروع ہوگئی۔اس تعلیم کا نقطۂ ماسکہ خدا کے متعلق صحیح تصور تھا۔لیکن ہوتا یہ رہا کہ ایک رسول آتا، اور خدا کے اس بلند و بالا تصور کو نہایت وضاحت سے پیش کر دیتا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ حقیقت لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی اور محسوسات کا خوگر انسان الوہیت کے اس صاف وشفاف چشمے میں اپنی ذہنی رنگ آمیزی کرنے لگ جاتا۔ جب ذہن انسانی پر اس طرح شرک کی تاریکیاں چھا جاتیں تو پھر ایک اور رسول آجاتا اور خدا کے اس پاکیزہ تصور کو وحیٔ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا دیتا۔ وحیٔ کا یہ سلسلہ اسی نہج و انداز سے جاری رہا، تا آنکہ جب ذہن انسانی اپنے سنِ شعور کے قریب پہنچ گیا، تو خدا کا یہی پاکیزہ اور منزہ، بلند و بالا تصور ایک مکمل صورت میں قرآن کے اندر دے دیا گیا اور اس صحیفۂ آسمانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔اس لئے ہم اللہ کے متعلق جو کچھ بھی جان سکتے ہیں وہ اتنا ہی ہے جتنا قرآن بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم خدا کی ذات کو پہچان سکیں یا اس کے متعلق علم حاصل کر سکیں۔

جہاں تک ذاتِ خداوندی کا تعلق ہے اس کی کنہ و حقیقت اور ماہیت و کیفیت کا سمجھنا انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں۔ ایک محدود ذہن لامحدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔یہی وجہ ہے کہ قُرآن نے ذاتِ خداوندی کی کہنہ و حقیقت کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ بتایا ہے کہ اس کی صفات کیا ہیں۔قرآنِ کریم میں مذکور صفات خداوندی ہی اس کی تعارفی تفاصیل ہیں' ان ہی کو قرآن کی اصطلاح میں اسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے۔ یہی اسماء الحسنیٰ ایک طرف انسان کے لئے زندگی کا نمونہ بنتی ہیں اور دوسری طرف ان کا ظہور اس عالمگیر قانون کی صورت میں ہوتا ہے جو رگ کائنات میں خونِ زندگی کی طرح جاری وساری ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے مطالعۂ فطرت اور مشاہدۂ کائنات پر بڑا زور دیا ہے۔ وہ اسے لقاء رب کا ذریعہ بتاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مطالعۂ فطرت سے قوانینِ خداوندی بے نقاب ہو کر انسان کے سامنے آجاتے ہیں اور چونکہ قوانینِ خداوندی سے دراصل مراد یہ ہے کہ کن مواقع پر خدا کی کون سی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔اس لئے مطالعہ فطرت سے حقیقی مقصود خود صفاتِ خداوندی کا مطالعہ ہے۔

صفاتِ خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ لینا اور (بہ حدِ بشریت) اپنی ذات میں ان کی نمود کو زندگی کا نصبُ العین قرار دے لینا ایمان باللہ ہے۔

حضرات! پرویز صاحب نے ہمیں قرآنِ کریم کا جو درس دیا ہے اور اس طرح ہم پر جو احسانات کئے ہیں اس مختصر سے وقت میں میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ میں انہیں گنا سکوں۔اس لئے آج کی نشست میں مَیں ان میں سے صرف دو کا تذکرہ کروں گا۔

محترم پرویز صاحب کا ہم پر یہ عظیم احسان ہے کہ موصوف نے سیرتِ محمدیہ ﷺ کے جگمگاتے چراغ کو توہمات ومعتقدات کے دبیز پردوں سے نکال کر اندھیروں میں بھٹکنے والی____ روشنی کے لئے مضطرب وبیقرار انسانیت کی ارتقاء کے لئے عام کر دیا۔ پرویزؔ صاحب نے نوعِ انسانی کے اس محسنِ اعظم ﷺ اور آسمانی انقلاب کے اس داعیٔ اکبر ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے ایسے گوشوں کو ابھار اور نکھار کر پیش کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ حضور ﷺ کی عائلی' معاشرتی تمدنی اور سیاسی زندگی کے

ہر ہر پہلو کو ایسے دلنشیں انداز میں ذہن نشین کرایا ہے جس سے ہر ذی ہوش اور حساس انسان کے دل میں اس ذاتِ اقدس واعظم ﷺ کا حقیقی احترام اور لازوال محبت جاگزین ہوجاتی ہے اور سننے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ اگر قرآن حروف ونقوش کی صورت میں شرفِ انسانیت کی انتہائی بلندیوں کا ترجمان ہے تو سیرتِ محمدیہ ﷺ ان ہی بلندیوں کا چلتا پھرتا حسین پیکر اور دنیا میں قرآن کی تفسیر ناطق ہے۔

محترم پرویز صاحب کا ہم پر دوسرا احسان یہ ہے کہ موصوف نے نہ صرف یہ کہ قرآن مظلوم پر سالہا سال سے پڑے ہوئے پردوں کو ایک ایک کر کے چاک کیا بلکہ اس عظیم سازش کو بھی بے نقاب کر دیا جس کی رُو سے کہا اور سمجھایا جاتا تھا کہ قرآنِ کریم نہ مکمل ہے، نہ محفوظ۔ اس کی آیات میں نہ ترتیب ہے نہ تسلسل۔ نہ ربط ہے نہ ضبط۔ نہ صرف یہ بلکہ اللہ کی یہ کتاب اپنے معانی ومطالب میں بھی دوسری کتابوں کی محتاج ہے۔

حضرات! محترم پرویزؔ صاحب نے سورۂ الحمد سے سورۂ الناس تک کا درسِ قرآن دے کر روزِ روشن کی طرح یہ ثابت کر دیا کہ روئے زمین پر قرآنِ کریم سے زیادہ جامع، مکمل، محفوظ، بالترتیب، مسلسل اور باربط کوئی دوسری کتاب نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ چودہ سو سال میں نہ تو کوئی ایسا مصنف پیدا ہوسکا اور نہ ہی کوئی ایسی تصنیف پیش کی جاسکی جو برحق، نظامِ زندگی کے کسی ایک گوشے کو بھی پیش کرنے میں قرآنِ کریم کی محتاج نہ ہو۔

حضرات! انسان کی ایسی تصنیف جس کے بغیر قرآن سمجھا ہی نہ جاسکے، یہ تو بعد کی بات ہے، انسان کی تو کیفیت یہ ہے کہ جب یہ اپنے جذبات، معتقدات اور روایات کو اللہ کی اس کتاب کے ساتھ ملا دیتا ہے تو اللہ کی یہی کتاب جو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی ہے، نور سے تاریکیوں کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنادی جاتی ہے۔ پھر اس کا مصرف بجائے اس کے کہ یہ نوعِ انسانی کو حیات عطا کرے جانکنی میں مبتلا انسانوں سے زندگی چھیننے کا موجب قرار پاجاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ اس کا ایک ایک حرف خدا کا عطا فرمودہ، جب اس میں انسان کے ایک عقیدہ کی آمیزش اسے یہ کچھ بنا کر رکھ دیتی ہے تو کیا آپ کسی ایسی کتاب کا تصور بھی کر سکتے ہیں جس کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن نہ ہو؟ انسانی تصانیف' قرآن کے طالب العلم کو صرف یہ بتاسکتی ہیں کہ فلاں صاحب نے قرآن کو یوں سمجھا تھا۔ قرآن اپنے مطالبہ کو واضح کرنے میں ان کا محتاج نہیں۔

حضرات! یہ محترم پرویزؔ صاحب ہی کی بصیرتِ قرآنی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے قرآنی مفہوم کو قرآن ہی سے متعین اور واضح کیا ہے۔ پرویزؔ صاحب نے ہمیں اس قرآنِ کریم سے متعارف کرایا ہے جو انسان کے جذبات ورجحانات، معتقدات وروایات سے بلند اور پاک ہے۔ موصوف نے ہمیں اُس قرآن سے متعارف کرایا ہے____

جو اعلان کرتا ہے سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۙ﴿۹۱﴾ (23:91) لوگ خدا کے متعلق جو تصورات اپنے ذہن سے پیش کرتے ہیں وہ ان سے بلند اور پاک ہے۔

جو کہتا ہے کہ قانون سازی کا حق کسی انسان کو نہیں۔ انسانوں کے لئے اُصولی قوانین اور اساسی آئین صرف ذاتِ خداوندی متعین کر سکتی ہے۔ اس لئے اسلامی مملکت میں حاکمیت کا اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے۔

جو ملوکیت کو خدا کی بدترین لعنت قرار دیتا ہے۔ جس نے ملوکیت کے استبداد کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ کسی انسان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے اپنا حکم منوائے۔ محکومی یا اطاعت قانون کی ہوگی نہ کہ اشخاص کی۔ انسانوں کو اپنے معاملات قوانینِ خداوندی کی روشنی میں باہمی مشاورت سے طے کرنے چاہئیں۔

جو بتاتا ہے کہ خدا نے اپنے لامحدود قوتوں اور بے انتہاء اختیارات کے باوجود ہر کام کے لئے قاعدے اور قوانین مقرر کر رکھے ہیں وہ سب کچھ اُن قوانین کے مطابق کرتا ہے۔ یہ قوانین اس قدر اٹل ہیں کہ ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

جو اعلان کرتا ہے کہ جس طرح خارجی کائنات میں خدا کے قوانین از خود جاری وساری ہیں اور جن کے مطابق ہر شے اپنے اپنے فریضہ کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہے اور اس طرح اپنی ارتقائی منازل طے کرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اسی طرح انسانی دنیا میں بھی، اسی کے قوانین نافذ العمل ہیں لیکن ان کی کائناتی رفتار بڑی سست ہے۔ اگر انسان کے دست و بازو ان کا ساتھ دیں تو ان کے نتائج انسانی حساب و کتاب کے مطابق مرتب ہو سکتے ہیں اور اس طرح انسان مشیت کے اس پروگرام میں خدا کا رفیق بن سکتا ہے۔

جو کہتا ہے کہ کائنات کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے۔ اس کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے انسان کے لئے تابع تسخیر کر دیا گیا ہے۔ یہ وہ ملائکہ ہیں جو آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ لہٰذا انسان کا مظاہرِ فطرت میں سے کسی کے سامنے جھکنا یا کسی سے ڈرنا تذلیلِ آدمیت اور تحقیرِ شرفِ انسانیت ہے۔

جو للکار کر کہتا ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے ہم نے اُسے باطل پیدا نہیں کیا۔ یہ اُن لوگوں کا ظن وخیال اور وہم وگمان ہے جو حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اتنی بڑی حقیقت سے انکار کریں اور دنیا کو باطل اور قابلِ نفرت قرار دیں تو ان کے اس انکار کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے سعی وعمل کی کھیتیاں جھلس کر رہ جائیں۔

جو مومنین کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ وہ تخلیق ارض وسماء میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور اپنے مشاہدات وتجارب کے بعد علیٰ وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے کائنات میں کسی شئے کو بیکار یا تخریبی نتائج کے لئے پیدا نہیں کیا۔

جو انسان کو ایسی زندگی کی بشارت دیتا ہے جس میں انسان نہ بھوکا رہے نہ ننگا۔ نہ اسے پیاس کا خوف ہو نہ مکان کی تنگی کا۔

جو ذات پات کی تقسیم کو طاغوتی قوتوں کا استبداد گردانتا ہے اور تمام قبائلی اور قومی عصبیتوں کو توڑ کر اس انقلابِ عظیم کا اعلان کرتا ہے کہ تمام نوعِ انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہے۔ اس لئے تمام روئے زمین کے انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد اور ایک شجرِ بلند وبالا کی شاخیں ہیں۔

جو اپنے نزول کا مقصد یہ بتا تا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک اُمت واحدہ میں تبدیل کرے گا۔

جو ہر انسان کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم قرار دیتا ہے، جو انسان کے مدارج کا معیار اس کے جوہر ذاتی اور سیرت و کردار بتا تا ہے جو کہتا ہے کہ سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جس کی سیرت سب سے زیادہ پاکیزہ اور جس کا کردار سب سے زیادہ بلند ہو۔

جو کہتا ہے کہ سرمایہ داری بجز ایں نیست کہ بعض انسانوں نے قوت فراہم کر کے کمزور و ناتواں انسانوں کے حقوق کو غصب کر رکھا ہے۔ اس لئے تقاضائے عدل و انصاف یہی ہے کہ ان غاصبوں سے غصب شدہ حقوق چھین کر ان کے اصل حقداروں تک پہنچا دیئے جائیں۔

جو اعلان کرتا ہے کہ خدا نے زمین کے دستر خوان پر رزق کو اس لئے بکھیر رکھا ہے کہ اس سے تمام نوعِ انسان کی پرورش ہو سکے۔ لہٰذا، کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ رزق کے سرچشموں پر ذاتی قبضہ جمائے۔ یہ معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں اور انہیں معاشرہ کے تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہونا چاہئے۔

جو اس حقیقت کو انسانوں پر بے نقاب کرتا ہے کہ زندگی امروز و فردا کے پیمانوں سے ماپنے کی چیز نہیں۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جس کے تسلسل اور لامتناہیت کے سامنے کہکشاں بھی گرد ہے۔

جو بتا تا ہے کہ انسان صرف جسم تک ہی محدود نہیں۔ جسم کے علاوہ اس میں ایک اور شے بھی ہے جسے نفس، ذات، انا یا خودی کہتے ہیں۔

جو کہتا ہے کہ انسان کا جسم موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن نفسِ انسان اس کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

جو اعلان کرتا ہے کہ جس طرح انسان جسم کی پرورش ہوتی ہے اُسی طرح نفسِ انسانی کو بھی نشو و نما کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی پرورش عقلِ انسانی کے سطحی تقاضوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ لیکن نفسِ انسانی کی پرورش مستقل اقدار کے ماتحت ہوتی ہے۔

جو بتا تا ہے کہ جسم کی پرورش ہر اس شئے سے ہوتی ہے جسے انسان خود کھائے لیکن اس کی ذات کی نشو و نما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کی پرورش کے لئے دے۔

جو مومنین کی خصوصیت یہ بتا تا ہے کہ وہ خود تنگی میں رہتے ہیں اور دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ بغیر ذاتی غرض کے کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے شکریہ تک کے طالب نہیں ہوتے۔

جو کہتا ہے کہ ہر ذات منفرد ہوتی ہے اور ہر عمل کا اثر اس شخص کی اپنی ذات پر مرتب ہوتا ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔

جو اعلان کرتا ہے کہ اتباعِ قوانینِ الٰہیہ کا لازمی نتیجہ خوشحالی اور اسبابِ معیشت کی فراوانی ہے اس کے برعکس ان سے رُوگردانی کا نتیجہ روزی کی تنگی ہے۔

جو بتاتا ہے کہ جو قوم تسخیرِ فطرت میں جدوجہد نہ کرے وہ متاعِ حیات سے محروم رہ جاتی ہے اور متاعِ حیات سے محرومی یا اس کے حصول کے لئے دوسروں کی محتاجگی ذلّت کی زندگی اور خدا کا عذاب ہے۔

جو کہتا ہے کہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے وحیٔ خداوندی کے مطابق عالمگیر انسانیت کی بہبود کی خاطر استعمال کرنا مقامِ مومن ہے۔

جو عدل وانصاف کے معاملہ میں اپنے اور پرائے، یگانے اور بیگانے کی کوئی تمیز و تفریق روا نہیں رکھتا۔ جو انصاف اور تقویٰ کا چولی دامن کا ساتھ بتاتا ہے۔

جو عقل و بصیرت اور فہم و فراست کو وجہٗ شرفِ انسانیت قرار دیتا ہے اور عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کو بدترین خلائق قرار دیتا ہے۔

جو اپنی دعوت کو اندھی تقلید اور عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت منواتا ہے۔

جو مومنین کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب (اور تو اور) خود ان کے رب کی آیات بھی ان کے سامنے لائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے گونگے بن کر نہیں گر پڑتے، انہیں عقل و بصیرت سے قبول کرتے ہیں۔

جو سیرت وکردار کی بلندی کو لاینفک قرار دیتا ہے اور سیرت کی بلندی کے لئے خارجی دباؤ استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ اس قسم کا نظام پیش کرتا ہے جس کے اندر یہ خوبی موجود ہو کر اس کے اتباع سے قلب و نظر میں ازخود بالیدگی و پاکیزگی پیدا ہوتی چلی جائے۔

جو اعلان کرتا ہے کہ حسنِ سیرت کا تعلق نہ عقل فیصلوں سے ہے نہ رسمی اعمال وکردار سے۔ سیرت کی پختگی اور بلندی دل کی تبدیلی سے متعلق ہے۔ اس کی تمام عمارت قلب کی بنیادوں پر اُٹھتی اور استوار ہوتی ہے جب تک نگاہ کے زاویے نہیں بدل جاتے اس وقت تک تطہیر فکر و نظر اور صحیح اعمال ممکن نہیں۔

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا میرا دل ہے ‏ ‏ ‏ بدل جانے سے اس کے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

حضرات، یہ ہیں محترم پرویز صاحب کی پیش کردہ تعلیماتِ قرآنی میں سے چند ایک جن سے موصوف نے ہمیں اپنے درسِ قرآن کے ذریعہ سرفراز فرمایا:

اس لئے آج مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تأمل نہیں کہ دورِ حاضرہ میں جہاں تک قرآنِ کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کا تعلق ہے پرویزؒ صاحب اُمتِ مسلمہ کے محسنین کی فہرست میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

آخر میں بارگاہِ رب العزت میں میری دعا ہے کہ وہ اس مردِ درویش کو جس نے ہمیں اندھی عقیدت، گورانہ تقلید، ظن و گمان، توہمات اور فرقہ پرستیوں سے نکال کر قرآنِ کریم کی روشنی سے ہمکنار کرایا۔ صحت و تندرستی اور عمر دراز عطا فرمائے۔ ‏ ‏ والسلام!

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	200/-
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-
سورہ آل عمران (اوّل)	(3)	472	500/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-
سورۃ الانفال	(8)	210	250/-
سورۂ توبہ	(9)	530	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-
سورۂ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-14-15)	500	500/-

300/-	334	(16)	سورۂ النحل
400/-	396	(17)	سورۂ نبی اسرائیل
500/-	532	(18-19)	سورۃ الکہف، سورۂ مریم
350/-	416	(20)	سورۂ طٰہٰ
300/-	336	(21)	سورۃ الانبیآء
350/-	380	(22)	سورالحج
400/-	408	(23)	سورۃ المؤمنون
350/-	264	(24)	سورۃ النور
350/-	389	(25)	سورۃ الفرقان
400/-	454	(26)	سورۃ الشعرآء
300/-	280	(27)	سورۃ النمل
350/-	334	(28)	سورۃ القصص
350/-	388	(29)	سورۃ العنکبوت
400/-	444	(30-31-32)	سورۂ روم، لقمان، السجدہ
400/-	570	(33-34-35)	سورۃ الاحزاب، سبا، فاطر
150/-	164	(36)	سورۂ یٰسٓ
400/-	450	(37-38-39)	سورۃ الصٰفّٰت، ص، زمر
550/-	624	(40-41-42)	سورۃ مومن حٰم سجدہ، سورہ شوریٰ
500/-	520	(43-44-45-46-47)	سوُرزخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ
500/-	550	(48-49--51-50-52-53)	سورۂ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم
400/-	384	(54-55-56-57)	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید
300/-	300	-64-65-66) (58-59-60-61-62-63	28واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم
400/-	544		29واں پارہ (مکمل)
400/-	624		30واں پارہ (مکمل)
1000/-	800		شرح جاوید نامہ
1000/-	800		فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان

ظفر عباس قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کس قدر حسین ہے ہماری یہ تقریب سعید جس نے ہمیں یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ ہم مُفکرِ قرآن جناب پرویز صاحب کے درسِ قرآن کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

قبل اس کے کہ میں اصل موضوع پر اظہار خیال کروں میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک چھوٹا سا واقعہ سنانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک اس واقعہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس نے میرے خیالات کی دنیا میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ آج سے بیس سال پیشتر کی بات ہے کہ جب میں ایک دوپہر حسب معمول اسکول سے گھر لوٹا تو دیکھا کہ میری والدہ اور بہنیں مغموم بیٹھی ہیں۔ یوں تو ہمارے معاشرہ نے عورت کی دنیا کو رنج والم کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے اس لئے تفکر و پریشانی اس غریب کا مقدر بنکر رہ گئی ہے۔ لیکن میری والدہ اور بہنوں کا آج اچانک یوں مغموم ہو جانا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ آج ہمارے ہاں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج صبح سے میرے بڑے بھائی گھر سے غائب ہیں اور وہ ریل گاڑی کے ذریعے کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر مجھے بھی بڑا صدمہ ہوا اور میں خاموشی کے عالم میں اپنی اماں کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہماری ایک پڑوسن' جسے ہم خالہ کہتے تھے، ہمارے ہاں آئی۔ میری والدہ نے ان سے بھی میرے بھائی صاحب کے فرار کی داستان سنائی اور پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا ''نہ جانے میرا بچہ کس حال میں ہوگا۔ خالہ نے یہ بات سنی تو امی جان سے کہا۔ '' تو اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے۔ تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ شاہ صاحب سے ذکر کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا تعویذ دے دیں گے کہ بچہ شام تک گھر لوٹ آئے گا۔ یہ تو شاہ صاحب کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

یہ سن کر امی جان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ انہوں نے فوراً برقعہ اٹھایا اور خالہ کے ساتھ چل پڑیں۔ چلتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا ہم شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ خالہ نے انہیں ہماری پریشانی کا حال سنایا۔ شاہ صاحب نے زعفران کی روشنائی سے ایک تعویذ لکھ کر والدہ صاحبہ کو دیا اور فرمایا۔ ''اس تعویذ کو لوبان کی دھونی دے کر کسی پاک کپڑے میں لپیٹ دینا اس کے بعد چرخے کے پہیے میں باندھ دینا اور پھر چرخے کو الٹے چکر دیتی رہنا۔ اس کے دوران کسی سے کوئی بات نہی کرنی اور دل ہی دل میں درود شریف پڑھتی رہنا۔ انشاء اللہ تمہارا بچہ الٹے پاؤں گھر لوٹ آئے گا۔'' اس کے بعد شاہ صاحب نے ٹین کی ایک چھوٹی سی صندوقچی والدہ صاحبہ کے سامنے رکھ دی انہوں نے سوا روپیہ تعویذ کے ہدیہ کے طور پر اس میں ڈال دیا۔ اور گھر لوٹ آئیں۔ اس کے بعد رات گئے تک وہ غریب چرخے کے پاس سے نہیں اُٹھی۔ دن بھر الٹا چرخہ چلاتے چلاتے ان کے بازو میں درد ہو گیا تھا۔۔ کافی رات گزر گئی اور ہم سب بہن بھائی سو گئے صبح اُٹھے تو والدہ کو پھر اپنے اُسی کام میں مصروف پایا۔ غرض یہ دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ چرخہ دو دن سے مسلسل الٹا چل رہا تھا۔ لیکن جانے والا الٹے پاؤں ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا

تھا۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہورہا تھا کہ شاہ صاحب نے تو یقین دلایا تھا کہ اس تعویذ میں چونکہ اللہ کا پاک کلام لکھا ہے اس لئے اس کی برکت سے میرے بھائی گھر لوٹ آئیں گے لیکن وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔ نہ جانے اللہ کے کلام کی یہ کیسی برکت ہے؟ بھائی کو گھر چھوڑے پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ اور اس ایک ہفتے میں چرخہ برابر الٹا چل رہا تھا۔ کبھی والدہ اُسے چلا رہی تھی اور کبھی بہنیں۔ ایک شام ایک عزیز ہمارے ہاں آئے اور انہوں نے بتایا کہ میرے بھائی کو انہوں نے دلی کی سبزی منڈی میں دیکھا تھا اور وہ وہاں اپنے کسی دوست کے پاس رہتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی والدہ صاحبہ نے فوراً ہی دلی کی روانگی کا فیصلہ کرلیا چنانچہ وہ اسی رات کی گاڑی سے مجھے ساتھ لیکر روانہ ہوگئیں۔ دورانِ سفر میں نے والدہ سے دریافت کیا کہ شاہ صاحب نے جو تعویذ دیا تھا اس کا تو کچھ بھی اثر نہیں ہوا کہیں وہ تعویذ جھوٹا تو نہیں تھا۔ ''نہیں بیٹے ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تعویذ میں اللہ کا پاک کلام ہوتا ہے اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اور یہ اسی کی برکت ہے کہ ہمیں تمہارے بھائی کا پتہ چل گیا۔'' میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور زبان تک آنے سے پہلے ہی نہ جانے کیوں محو ہوگیا کہ اگر ہم تعویذ نہ بھی لیتے تو بھائی کا پتہ تو تب بھی چل ہی جاتا۔۔۔ اس خیال کے مٹتے ہی ایک دوسرا خیال میرے ذہن کی سطح پر اُبھر آیا اور میں نے والدہ سے پوچھا ''امی! یہ شاہ صاحب تعویذ بیچتے کیوں ہیں۔ کیا اللہ کا پاک کلام بھی بکتا ہے؟ امی کی ایک ہی ڈانٹ نے اس خیال کو جو ابھی ابھی ذہنی سطح پر ابھرا تھا دل کی گہرائیوں میں غوطہ زن کردیا۔

حضرات! اس قسم کے واقعات سے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلام اور قرآنِ کریم کے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں وہی بالآخر انہیں مذہب سے متنفر کردیتے ہیں اور وہ مذہب کو مکڑی کا ایک ایسا جالا سمجھنے لگتے ہیں جس میں پھنس جانے کے بعد انہیں اپنی عافیت نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ اس کے قریب پھٹکنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ایک عرصہ تک میری اپنی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی رہی۔ اور پھر خوبیٔ قسمت سے ایک دن ''طلوعِ اسلام'' کا ایک پرچہ میری نظر سے گزرا جس میں جناب پرویز صاحب کا ''سلیم کے نام'' ایک طویل خط تھا میں نے اس خط کو کئی بار پڑھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پرویز صاحب نے اس خط میں مجھے ہی مخاطب کیا تھا۔ مفکر قرآن جناب پرویز صاحب نے اس خط میں دین اور مذہب کے فرق کو بڑے ہی مؤثر اور دلکش انداز میں واضح فرمایا ہے۔ میرے دل میں اب پرویز صاحب کے لٹریچر کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور چند سالوں کے مطالعہ کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری مذہب سے بیزاری دراصل تلاشِ حقیقت کے لئے تھی۔ اور وہ حقیقت اب میری نگاہوں کے سامنے آشکارا ہوچکی تھی۔ اب سے ساڑھے تین سال پیشتر جب میں کراچی چھوڑ کر لاہور آرہا تھا تو یہ خیال میری روح اور میرے قلب و دماغ میں مسرتوں اور شادمانیوں کا ایک پیغام بن کر آرہا تھا کہ لاہور میں رہ کر مجھے یہ موقعہ ملے گا کہ مفکرِ قرآن کے ہفتہ وار بصیرت افروز درسِ قرآن میں شرکت کرسکوں گا۔ اس وقت سے مسلسل درس میں شریک ہورہا ہوں۔ میرے نزدیک اس درسِ قرآنِ کریم کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جناب پرویز صاحب قرآنِ کریم کو دلائل و براہین کی رُو سے پیش کرتے ہیں اور قرآنِ کریم کی آیات کی وضاحت خود قرآنِ کریم ہی کی دوسری آیات سے کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں صدیوں سے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کا جو طریقہ چلا آرہا ہے، معاف بفرمائیداس نے قرآن کی آیات کو ایک بھول بھلیاں بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ خیال پیدا ہونے لگا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم تضادات کا ایک

مجموعہ ہے اور اس کی آیات اور ان کے مفہوم بالکل بے ربط ہیں۔ لیکن پرویز صاحب کے درس قرآن نے ان گمراہ کن خیالات کو یکسر باطل قرار دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ خدا کا پاک کلام تضادات سے پاک ہے اور اس کی آیات اور مطالب میں باہمی ربط ہے۔ قرآنِ کریم کی بہت سی آیات جن کا مفہوم ہم مروجہ تراجم میں پڑھتے چلے آئے ہیں اور متعدد بار علماء سے سن چکے ہیں، میرے دل میں عجیب کشمکش پیدا کر رہی تھیں اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر ان آیات کا مفہوم وہی ہے جو مدعیان مذہب بیان کرتے ہیں تو پھر آخر ان آیات کا ہماری اپنی زندگی سے کیا واسطہ ہے جو انہیں نازل کیا گیا۔ لیکن یہی آیات جب اس درس میں میرے سامنے آئیں اور ان کا مفہوم جناب پرویز صاحب نے بیان فرمایا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان آیات کا ہماری زندگی سے خاص تعلق ہے اور ہم بھی ان آیات کے مخاطب ہیں۔

قرآنِ کریم کی بعض آیات کا جو مفہوم ہم آج تک سنتے چلے آئے ہیں اس نے ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ اور قرآنِ کریم کے متعلق بہت سے شکوک پیدا کر رکھے تھے۔ ''وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ '' (3:26) کا مفہوم ہر منبر اور اسٹیج سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ ''خدا جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔'' اس سے بار بار دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ کس قسم کا خدا ہے جس کا نہ کوئی قانون اور جو نعوذ باللہ' ایک ڈکٹیٹر کی طرح آسمانوں پر بیٹھ کر جو جی میں آتا ہے کرتا ہے۔ جب موڈ (Mood) میں آتا ہے تو ایک شخص کو عزت کے مقام بلند تک پہنچا دیتا ہے اور جب جی میں آیا اسی کو ذلت ورسوائی کے عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے۔ کم از کم آیت بالا کے مروجہ مفہوم سے تو یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ عزت وذلت کا کوئی معیار خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔ بار بار دل میں خیال آتا تھا کہ یہ کردار کسی انسان کا تو ہوسکتا ہے خدا کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب اسی آیت کا مفہوم اس درسِ قرآنِ کریم میں جناب پرویز صاحب کی زبانی سنا تو روح میں وجد آ گیا اور معلوم ہوا کہ عزت وذلت کا ملنا خداوند عالم کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اور عزت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو اس کے قانون کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ ایک اور آیت کو لیجئے۔ ''وَاللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ'' (24:38)۔ اس کا مفہوم آج تک یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے بے حد بے شمار رزق دیتا ہے۔ غرض آیاتِ قرآنی کے مروجہ مفہوم نے دل میں عجیب کشمکش پیدا کر رکھی تھی۔ لیکن جب اس قسم کی آیات کا مفہوم اس درس میں سنا تو خدائے تعالیٰ اور قرآنِ کریم کے متعلق جو شکوک اور شبہات پیدا ہو چکے تھے اور جن کی بدولت خود اسلام سے دل بیزار ہو رہا تھا، یکسر دور ہو گئے اور میرا سر نیاز بارگاہِ خداوندی میں جھک گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس درسِ قرآن نے ان تمام حقائق کو بے نقاب کر کے ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے جن پر ہمارے قدامت پرستوں اور عجمی روایات نے دبیز پردے ڈال رکھے تھے۔ حضرات! محترم پرویز صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو قرآنی بصیرت عطا فرمائی ہے ان کی اس بصیرت نے قرآنِ کریم اور اسلام کی صحیح تصویر ہمارے سامنے پیش کر دی ہے اور اب ہم اس قابل ہو چکے ہیں کہ قرآنِ کریم کے حقائق کو بے نقاب دیکھ سکیں اور انہیں اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ بنا سکیں۔ حضرات! درسِ قرآن سے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے کے بعد جناب پرویز صاحب کے متعلق یہ دعا میرے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر لبوں تک آ پہنچی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار (نوشتہ' ستمبر 1965ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیادِ غلام احمد پرویز

عبدالعزیز خالد

ہو گیا رخصت بساطِ تنگنائے دہر سے
دانش و بینش کا پیکرؒ پُر بہار و خوش صفات
اک ادارہ، ایک تحریک، اک مشن تھی جس کی ذات
طعنے گمراہی کے سنتا، وار بدنامی کے جو سہتا رہا
مہر خاموشی لگی خوفِ فسادِ خلق سے
(کیوں نہ ہو جدت پسندی کو اِبا تقلید سے
جہل فتوے جس کے کفر و قتل کے دیتا رہا

اک خدا آگاہ، روشن فکر مردِ خود گرے
کلک و قرطاس و لبِ اظہار جس کی کائنات
شمع رکھی جس نے روشن فِکرِ قرآنی کی تاحینِ حیات
بات اپنے دل کی بیباکی سے لیکن برملا کہتا رہا
جس کے ہونٹوں پر نہ پل بھر کے لئے
کیا دماغِ نکتہ پرور کور مغزوں سے ڈرے؟)
کشتیِ عمرِ رواں جو بحرِ ہیبت ناک میں کھیتا رہا
قرضِ مرگِ ناگہاں سے روز جو نقدِ نفس لیتا رہا

زندگی بھر تنگ ظرفی سے کیا جس نے نباہ
بے گناہی کے سوا کیا تھا بھلا اس کا گناہ؟
باوجودِ بے نوائی بے محابا، بے پناہ

اک زمانہ جس کے عزم و استقامت کا گواہ
تھی بقولِ محرماں اس کو نہ حرصِ مال و جاہ
کچھ نہ رکھتا تھا وہ اقبالی قلندر
جُز دو حرفِ لا اِلٰہ

کوہکنؔ کی جس میں پامردی، یہ وہ پرویز تھا
صاحبِ فرہنگے، اندیشہ سگالے، عاقلے
وہ وفاداری بشرطِ استواری کی مثال
تھے بہم جس میں مذاقِ منطق و ذوقِ جمال

اور اسی باعث تھی شیرینؔ خرد اس پر فدا
کہتے تھے جس کے عقیدت مند ''بابا جی'' اُسے
عمر بھر کی بے قراری کا ثمر جس کا کمال
آگہی کی اِک فروزاں شمع تھی جو بجھ گئی
آہ بیدردی تری! اے زندگی! اے زندگی!

رشیدہ صلاح الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب بات سمجھ میں آئی

صدر محترم و معزز سامعین!

پرویزؔ صاحب کے لیکچر سننے سے پہلے جب بھی میں نے قرآنِ کریم کو سمجھنے کی کوشش کی میری نہ تو تسلی ہوئی اور نہ ہی میں کچھ سمجھ پائی۔ مثلاً چار شادیوں والی بات کو ہی لیجئے، یہ قرآن کہتا ہے؟ میرے اللہ! کیا یہ تیرا ہی دیا ہوا قانون ہے! پرویز صاحب نے جب بات سمجھائی کہ یہ تو محض جنگ کی ہولنا کیوں کے نتائج کے پیشِ نظر اُس وقت کا تقاضا تھا اور وہ بھی اِس مشکل ترین شرط کے ساتھ کہ ''اگر تم انصاف کرسکو تو۔'' اب کیجئے، تول تول کر محبت چار بیویوں کے ساتھ۔

پھر یہ کہ اگر کوئی شخص خدانخواستہ مر جائے تو مولوی صاحبان سے بہت سی معافی کے ساتھ مولوی صاحبان کو بلا کر قرآن خوانی کروایئے۔ اُن کو عمدہ عمدہ کھانے کھلایئے۔ اِن دونوں باتوں کا ثواب اُسی لمحے مردے کو منتقل ہونا شروع ہو جائے گا۔ یہ دونوں باتیں میری سمجھ سے تو بالاتر تھیں۔ آخر قرآن تو بہر صورت ایک ضابطۂ حیات ہے۔ جس کے اندر دیئے ہوئے قوانین کے مطابق ہم سب کو بہتر زندگی گزارنے کے لئے عمل کرنا ہے۔ پھر اس کے محض پڑھنے یا پڑھوانے سے بھلا ثواب کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو سراسر عمل کرنے کی چیز ہے۔

اور پھر یہ تو اور بھی مزے کی بات ہوئی، کہ آپ ساری عمر جو جی میں آئے گناہ و ثواب جزا اور سزا کے تصور سے بے نیاز ہو کر کرتے چلے جایئے۔ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے عزیزوں کا پیسہ اور مولوی صاحبان کی ریاضت آپ کو جنت میں لے جائے گی۔ حالانکہ قرآن کے مطابق ہمارا خدا نہ صرف کسی بُرے عمل کی ہی سزا دیتا ہے بلکہ دل میں گزرنے والے ہر بُرے خیال کا بھی محاسبہ کرتا ہے اور نگاہوں کی خیانت تک کی سزا دیتا ہے۔ یعنی اس قانون کے مطابق ان کا نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ اِسی قسم کی وہ تمام باتیں اور رسومات جو ہمارے معاشرے میں قرآن اسلام کے نام پر رائج ہیں۔ ہماری عقل ان کو کبھی بھی تسلیم نہیں کرتی۔ اور نہ ہی قرآن سے ان کی سند ملتی ہے۔

پرویزؔ صاحب کی مسلسل کوششوں و محنت سے ان سب کی وضاحت ہو جائے گی۔ بلکہ مجھے اُمید ہے کہ کچھ عرصے تک ہم سب اس عظیم ضابطے کو اس کے صحیح معنوں میں سمجھنے لگ جائیں گے، رب العزت انہیں اس عظیم کام کی تکمیل کے لئے لمبی زندگی دے اور ہم سب کو ان سے زیادہ سے زیادہ سیکھنے کی توفیق۔ (آمین)

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی وملائی و پیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردمومن	مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح جاوید نامہ (قرآنِ کریم کی روشنی میں)

لسانِ فارسی میں تصنیف شدہ جاوید نامہ پر دیئے گئے خطابات کا پس منظر یہ ہے کہ جناب حبیب الرحمن خاں (مرحوم) جو 1968ء میں ایس ایس پی لاہور تھے' نے جناب پرویزؒ سے کہا کہ جاوید نامہ کے کچھ مقامات سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر انہیں درساً درساً لے لیا جائے تو اقبالؒ سمجھ میں آجائے گا۔ اور اقبالؒ چونکہ قرآنِ کریم سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے' اس سے قرآنِ مجید بھی سمجھ میں آجائے گا۔ علامہ پرویزؒ کو اقبالؒ کے ساتھ شغفِ بے پایاں تھا اور قرآنِ کریم کے ساتھ ذوقِ بے کراں ایسا تھا کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ان کے ایما پر مجلس قلندرانِ اقبال (جس کی کچھ تفصیل اس کتاب کے پہلے باب میں درج ہے) کے لیے ان خطبات (لیکچرز) کا انعقاد' پرویزؒ کی جائے رہائش (25-B گلبرگ' لاہور' پاکستان) میں شام (چھ بجے) کے اوقات میں (ہفتے ❶ کے ایک مقررہ دن میں) عمل میں آیا۔ یہ کل 27 خطبات (لیکچرز) ہیں جو مئی 1968ء کی 22 تاریخ سے شروع ہوئے اور دسمبر 1968ء کی 28 تاریخ کو اختتام تک پہنچے۔ اسی دوران یہ تمام خطبات کے ساتھ ساتھ صوتی فیتے پر ریکارڈ بھی کیے جاتے رہے۔ یاد رہے کہ یہ تمام خطبات کہیں بھی تحریر نہیں کیے گئے تھے۔

اب ہوا یہ کہ احبابِ قرآنی میں یہ خیال ابھرا کہ کیوں نہ (پرویزؒ کے دروسِ قرآن کی مانند) ان رکارڈ شدہ خطبات کو کتابی شکل میں مدون کر کے ہدیۂ قارئین کیا جائے۔ اس کے لئے برادرِ مکرم محترم محمد اشرف ظفر صاحب نے ان خطبات کو Transcribe (لفظاً لفظاً صفحہ قرطاس پر منتقل) کروانے کا ذمہ لیا۔ یہ کیسٹ خاصے پرانے تھے' آواز بھی کہیں کہیں دب گئی تھی۔ بہرحال (جیسے بھی تھے) انہیں بڑی محنت سے ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔

یہ تمام لیکچرز ادارہ طلوعِ اسلام نے ''شرح جاوید نامہ'' کے نام سے بہت اچھے انداز میں کتابی صورت میں چھاپ دیے ہیں۔ اس کتاب میں سے ایک باب آپ کے ذوق کی آبیاری کے لئے پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

---

❶ یہ خطبات مئی 1968 کی 22 تاریخ سے ستمبر 1968 کی 4 تاریخ تک بدھ کے دن لیکن ستمبر 1968 کی 7 تاریخ تا اختتام (دسمبر 1968 کی 28 تاریخ تک) سنیچر کے دن دیئے جاتے رہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فلکِ زہرہ (سعید حلیم پاشا' افغانی' پیغامِ افغانی' پیر رومی' غزل زندہ رود)

آج ستمبر 1968ء کی 14 تاریخ ہے۔ ہم بہ وقت شام B-25 گلبرگ' لاہور پاکستان میں' مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ کی نشست میں'' جاوید نامہ'' کے صفحہ:84 سے بات شروع کرتے ہیں۔

زندہ رود (مسلسل)

اقبالؒ کی تمام تر جگر سوزی اور پریشانی اسبابِ زوالِ امت کی وضاحت پر ہی مرکوز ہے

سابقہ درس کے آخر میں ''زندہ رود'' (اقبالؒ) نے سید ھے یہ پوچھا کہ خدا کے لیے بتاؤ کہ وہ عالَم' جس نے خلافتِ آدمیت یہاں قائم (ESTABLISH) کرنی ہے' جس نے کتاب کی محکمات کو محسوس شکل میں لانا ہے' وہ پسِ حجاب کیوں ہے؟ وہ باہر کیوں نہیں آتا؟ یہ بڑا عمدہ سوال تھا۔

عزیزانِ من! میں یہ عرض کردوں کہ میرے نزدیک اس اگلے حصے میں' اقبالؒ نے جو کچھ کہا ہے' اگر یہ ساری زندگی میں اتنا ہی لکھ جاتا تو اقبالؒ کی یہ پوری خدمت قیامت تک خود مکتفی (SELF CONTAINED) ہوتی۔ اس حصے میں اس نے اتنی جامع چیز کہہ دی ہے۔ ویسے تو آپ دیکھتے ہیں کہ اسے فلک عطارد کی آرزو ہے مگر یہاں پہنچنے کے بعد اس نے کھل کر ساری وضاحت کردی جو اس نے کرنی تھی۔ پوچھا ہے کہ جس نے قرآن کریم کی محکمات کو محسوس شکل میں لانا ہے وہ حجاب میں کیوں ہے؟ کیوں باہر نہیں آتا؟ یہی چیز ہم روزانہ زیرِ بحث لاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسبابِ زوالِ امت کیا ہیں؟ کتابِ زندہ ہونے کے باوجود ان ممکنات کی نمود کیوں نہیں ہورہی؟

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا   کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

(بالِ جبریل (1996)' ص:37)

اقبالؒ روتا ہے کہ نمود کیوں نہیں ہوئی' یہ حجاب میں کیوں ہے؟ یہ بڑے عجیب نکات ہیں جو وہ کہہ جاتا ہے اور یہ روتا اسی چیز پہ تھا'' کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی''۔ اس نے سیدھا سوال کیا ہے۔

از ضمیرِ ما بروں ناید چرا

(تُو اسے ہمارے ضمیر سے باہر کیوں نہیں لے آتا۔ یہ نظامِ محکماتِ قرآنی کسی اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے آخر اس کا

سبب کیا ہے؟) وہ اپنے جوابات میں سب کچھ عیاں کر گیا ہے۔ یہ اسی کی تشریح ہے، جو ہم ساری عمر کرتے چلے آرہے ہیں، یہ اسی چیز کی تشریح ہے جو آج اس ٹائٹل [1] ISLAM: A CHALLENGE TO RELIGION میں آ گئی ہے۔ اصل بات ہی یہ ہے۔ افغانی کی جگہ سعید حلیم پاشا، زندہ رود (اقبالؒ) کے سوالوں کے جواب دیتا ہے جو بڑا ہی غور طلب ہے۔

سعید حلیم پاشا

دینِ خداوندی کے سلسلہ میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کی کیفیت اور پھر اس کی وجہ جواز کہتا ہے کہ

دینِ حق از کافری رسوا تر است

(اس دور میں دینِ حق یعنی اسلام کافری سے بھی زیادہ رُسوا ہے)۔ THIS IS A STATEMENT OF FACT (یہ ایک حقیقتِ امری کا بیان ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

زانکہ ملّا مومنِ کافر گر است!

(مُلّا کافر بنانے والا مومن ہے۔ آج کا مُلّا روحِ دین سے بے بہرہ ہے، شکم کا بندہ بن چکا ہے)۔ اب یہ سیدھی سی بات ہے کہ دینِ حق اس لیے کافری سے بدتر ہے کہ دینِ حق کے ہر پیروکار کو کافر بنا تا جا رہا ہے۔ یہ کیسی عجیب منطق ہے پھر مومن کہاں سے ملے گا؟ تم نے دروازے پہ ایک شخص بٹھایا ہوا ہے جو ہر اندر آنے والے کا منہ کالا کر دیتا ہے۔ تم پوچھتے ہو صاحب! یہ اندر جتنے بیٹھے ہیں، ان کے منہ کالے کیوں ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ یہ اس لیے ہیں کہ تم نے اس دروازے پہ ایک دربان مُلّا بٹھایا ہوا ہے جو ایسا کچھ کرتا ہے۔ یہاں پر یہ ''زانکہ'' لایا ہے۔ ''زانکہ'' آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے زور کی بات کہہ گیا ہے!

زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است!

(چونکہ مُلّا کافر بنانے والا مومن ہے)۔ اور اب مُلّا کے تقابل میں یہ خود آیا ہے۔ کہتا ہے کہ

شبنم ما در نگاہِ ما یم است

(ہماری شبنم ہماری نگاہ میں سمندر ہے)۔ اس طرح ہماری کیفیت یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے سچائی کے دین کے شبنم کا ایک قطرہ بھی کہیں ہمیں نظر آ پڑتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ سمندر مل گیا لیکن اس بدبخت کی کیفیت یہ ہے کہ

از نگاہِ او یمِ ما شبنم است!

(اس کی نگاہ سے ہمارا سمندر شبنم ہے)۔ شبنم ''کنایہ'' ہے شعائرِ اسلامی کے فروعی مسائل سے اور یم (سمندر) اشارہ ہے اسلام کے بنیادی ارکان اور اصولوں کی طرف۔ آپ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (1903-1979ء) کو دیکھیے۔ کہتا ہے کہ

---

[1] یہ پرویزؒ کی اپنی کتاب کا نام ہے جو ستمبر 1968ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آئی۔

سارے مسلمان پیدائشی مسلمان ہیں۔ان میں سے ان کو کوئی بھی مسلمان نظر نہیں آتا حالانکہ یہ ان میں بیٹھا ہوا ہے۔ کیفیت یہ ہے صاحب! کہ ان کے ہزار میں سے جو نو سو ننانوے ہیں، وہ جہنم رسید کرنے کے قابل ہیں۔کل کو اگر اسلامی حکومت بھی قائم ہو گئی تو ''طالبان'' کے نوٹس کے بعد سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ یہ تقابل دیکھ لیجیے۔ دین کا درد رکھنے والوں کی کیفیت یہ ہے کہ اگر انہیں کہیں شبنم کا قطرہ بھی ملتا ہے تو وہ ان کے نزدیک سمندر ہے۔مُلّا کے نزدیک ملت کا جو اتنا بڑا سمندر ہے، یہ شبنم کے قطرے جتنی بھی قیمت نہیں رکھتا۔ آپ ذرا یہ چیز دیکھیے، یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ یہ (سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) کہتا ہے کہ سال بھر کے بعد جتنے مسلمان یہاں ہوں گے، ان میں سے جو ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں گے، ان کو چھوڑ کر باقی سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ اب دیکھیے یہ یم (سمندر)، اس کی نگاہ میں شبنم کیسے بنتا ہے۔

ہم نے ابھی بات شروع ہی کی ہے، سعید حلیم پاشا (1921-1865) اقبالؒ (1938-1877) کے براہِ راست سوال کا جواب دیتا ہے کہ وہ عالم جس کے انتظار میں ہم اس طرح سے بے تاب ہو رہے ہیں، وہ بے حجاب کیوں نہیں ہوتا؟ اس نے ایک مصرع میں بات کہہ دی کہ

زانکہ ملاّ مومنِ کافر گر است!

(چونکہ مُلّا کافر بنانے والا مومن ہے) اس لیے ایسا ہے۔بس یہ اس کی وجہ ہے۔ اور دوسری طرف مُلّا کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کافر گر ہے۔ اب اگلے تمام اشعار مُلّا کے متعلق آئے ہیں۔ ان مُلّاؤں کی ساری تحریریں، ان کی تمام کتابیں موجود ہیں، ان میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں اس نے دوسرے کو کافر قرار نہ دیا ہو۔ ان کی ہزار سالہ کدو کاوش کا سارا ماحصل یہ ہے جی! یہ سب ان کے ہاں تحریری شکل میں موجود ہے۔

شبنم ما در نگاہِ ما یم است

(ہماری شبنم ہماری نگاہ میں سمندر ہے) یعنی ہمیں کہیں قطرۂ اسلام بھی نظر آئے تو ہمیں سمندر نظر آتا ہے۔ کتنا پیارا ہے یہ! اس کے برعکس

از نگاہِ او یم ما شبنم است!

(اس مُلّا کی نگاہ میں ہمارا سمندر شبنم ہے) یعنی ان مخالفین کو ہمارا سمندر بھی ایک قطرہ نظر آتا ہے گویا ان کے نزدیک اس کی کچھ قیمت ہی نہیں۔

از شگر فیہائے آں قرآں فروش

شگر فیہا کے معنی ''روز نئے رنگ پلٹے چلے جانا'' کے ہیں۔ کہتا ہے کہ مُلّا عجیب رنگ پلٹتا رہتا ہے: عجیب عجیب چیستانیں بناتے چلے جانا، نئی نئی چیزیں پیدا کرتے چلے جانا، اس کا شیوہ بن چکا ہے۔ سعید حلیم پاشا (1921-1865ء) جواب میں کہتا ہے کہ ''آں قرآں فروش'' ہے۔

قرآنِ حکیم کے ساتھ مُلّا کے تعلقات کی نوعیت

دیدہ ام روح الامیں را در خروش!

(میں نے 'روح الامین' کو واویلا کرتے دیکھا ہے)۔ آہاہاہا! اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟ کہتا ہے کہ

زانسوئے گردوں دلش بیگانۂ

(مُلّا کا دل آسمان سے' دوسری طرف واقع جہان سے' بے گانہ ہے یعنی وہ اللہ کی اس ہدایت سے جو قرآنِ مجید کی صورت میں اللہ کی طرف سے اہلِ زمین کے لیے اتاری گئی ہے' واقف نہیں ہے) بلکہ یوں کہیے کہ اس سے اس کی واقفیت کا سوال ہی نہیں۔ اس کا خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' کوئی واسطہ نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ ذرا سا اپنے مفاد سے اونچا ہو کر دیکھ لے۔

نزدِ او امّ الکتاب افسانۂ

(اس کے نزدیک سب کتابوں سے افضل کتاب یعنی قرآنِ کریم' اللہ کا کلام ہونے کے بجائے کوئی افسانہ ہے اور وہ اسے صرف قصے کہانیوں اور خیالی باتوں کی کتاب سمجھتا ہے)۔

بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ آسمانش تیرہ از بے کوکبی!

(وہ دینِ نبی ﷺ کی حکمت سے بے خبر ہے' اس کا آسمان ستارے نہ ہونے کی وجہ سے تاریک ہے۔ اس کے اندر قرآن مجید کو سمجھنے کی تو اہلیت و صلاحیت ہی نہیں ہے)۔ اس کے آسمان پر تو ایک ستارہ بھی نہیں۔ اس کی یہ کیفیت ہے۔

دین فی سبیل اللہ فساد کی نوعیت

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد!

(وہ کم نگاہ' کم ذوق اور ہرزہ سرائی کرنے والا ہے۔ ملت اس کے قول اقول یعنی بحثوں اور مناظروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے' فرقوں میں بٹ گئی ہے)۔ کبھی آپ نے ان کی کوئی کتاب پڑھی ہو تو پتہ چلے کہ یہ قال اقول کیا ہوتا ہے؟ ان کی تمام کتابیں مناظرانہ طریق پر لکھی ہوتی ہیں۔ جن میں ہے کہ 'قال' یعنی فریقِ مخالف نے یوں کہا اور 'اقول' ہے کہ میں یہ کہتا ہوں۔ ساری کتاب قال اقول ہوتی ہے۔

ملت از قال و اقولش فرد فرد!

(ملت اس کے ''قال اقول'' سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے' فرقوں میں بٹ گئی ہے)۔

مکتب و ملّا و اسرارِ کتابؐ کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب!

(مدرسہ' مُلّا اور قرآنِ کریم کے بھید یوں ہیں کہ جیسے مادرزاد اندھا ہو اور سورج کی روشنی ہو۔ مراد یہ ہے کہ مُلّا اور اس کے مکتب سے قرآنی تعلیمات کی وہی نسبت ہے جو مادرزاد اندھے کی سورج کی روشنی سے ہوتی ہے۔ اندھا سورج کی روشنی سے اور آج کا مُلّا قرآن کی روشنی سے بے خبر ہے)۔ یہاں یہ ''کورِ مادرزاد'' پنجابی لفظ ہے جو فارسی میں ترجمہ کیا ہے: اوہ! یہ

قیامت ہے۔

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد!

(کافر کا دین، روشِ حیات، فکر، تدبیر اور جہاد ہے، دنیاوی جنگ ہے اور ملّا کا دین اللہ واسطے کا فساد ہے۔ غیر مسلم تو اپنے دین یعنی روشِ حیات کو پھیلانے اور اپنی ہر طرح کی سربلندی کے لیے فکر بھی کرتے ہیں اور اس کے لیے تدبیریں بھی کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ دوسروں پر جنگ مسلط کر کے بھی اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں لیکن ہمارا ملّا فکر اور تدبیر سے عاری ہے، وہ صرف ایک کام کر رہا ہے کہ فرقوں کو فرقوں سے لڑا رہا ہے اور اس طرح ملت میں فساد برپا کر رہا ہے) ''اے فی سبیل اللہ وی پنجابی اچ ہے جی'' (یہ فی سبیل للہ بھی بزبانِ پنجابی ہی ہے)۔ ان کی صورت ہی یہ تھی۔ یہ کہا کہ خواہ وہ انگریزی یا اردو میں بات کریں، گالیاں ہمیشہ پنجابی میں دیتے تھے۔ بات بنتی ہی پنجابی میں ہے۔ کیا اس کا ترجمہ کرنے سے بات بن جاتی ہے؟ جی! نہیں جناب! نہیں بنتی [1]۔

اب مُلّا کے مقابلے میں ''مردِ حق'' لایا ہے۔ کہتا ہے کہ

مردِ حق جانِ جہانِ چار سوے آں بخلوت رفتہ را از من بگوے

(مردِ حق، جہانِ چار سو کی جان ہے، اب اس خلوت اختیار کیے ہوئے (مردِ حق) کو میری طرف سے کہہ دو) یعنی مومن کی یہ شان ہے کہ یہ ''جانِ جہانِ چار سو'' ہے یعنی یہ ساری کائنات کا ماحصل ہے اور ''آں بخلوت رفتہ را از من بگوے'' اب اس خلوت اختیار کیے ہوئے مردِ حق کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو یعنی وہ جو منہ ڈھانپ کر ایک طرف چل دیا ہے تو ''از من بگوے'' میرا یہ پیغام اس تک پہنچا دو:

اے ز افکارِ تو مومن را حیات از نفسہاے تو ملّت را ثبات

(اے کہ تیرے افکار سے مومن کی زندگی ہے۔ تیری سانسوں سے ملت کو ثبات ہے، یعنی ملت محکم ہوتی ہے)۔ آپ نے دیکھا جی! کہ اس فکر سے مومن کو حیات ہے اور ''از نفسہاے تو ملت را ثبات'' (تیری سانسوں سے ملّت کو ثبات ہے)۔

حفظِ قرآنِ عظیم آئینِ تست حرفِ حق را فاش گفتن دینِ تست

(قرآنِ کریم کی حفاظت تیرا دستور ہے اور حق کی بات کو صاف صاف کہہ دینا تیرا دین ہے)۔ اسے یوں کہیے کہ تیرا دین تو ''فاش گفتن'' تھا۔ اب وہاں بات آئی کہ یہ جہاد میں کیوں ہے؟ اس لیے کہ ''حرفِ حق را فاش گفتن دینِ تست'' (حق کی بات کو صاف صاف کہہ دینا تیرا ضابطۂ حیات ہے)۔

تو کلیمی چند باشی سر نگوں دستِ خویش از آستیں آور بروں

(تُو تو کلیم ہے۔ کب تک سرنگوں بیٹھا رہے گا؟ اٹھ، جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو فرعون سے نجات دلائی تھی تو

---

[1] یہاں پرویزؒ کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ''بھاویں انگریزی بولن، بھاویں اردو بولن، او گالیاں ہمیشہ پنجابی اچ دیندے ہوندے سن۔

بھی اے مردِ حق! خلوت سے باہر آ اور آج کے فرعونوں کے تسلط میں آئی ہوئی امتِ مسلمہ کو قرآنی تعلیمات کے تحت آزادی دلا اور اپنا ہاتھ ''از آستیں آور بروں'' آستیں سے باہر لا)۔ تُو کلیم تھا۔ دستِ کلیمی کا آستین میں ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ دیکھو جی! دو لفظوں میں کیا بات کر گیا ہے کہ

نورِ قدیمی شب را بیفروز　　دستِ کلیمی در آستینی

یہ دستِ کلیم کا آستیں کے اندروں ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

تو کلیمی چند باشی سر نگوں　　دستِ خویش از آستیں آور بروں

(تُو تو کلیم ہے۔ کب تک سرنگوں بیٹھا رہے گا؟ اٹھ! اپنا ہاتھ اپنی آستین [1] سے باہر لا۔ اے مردِ حق! خلوت سے باہر آ اور اپنے قرآنی دلائل و براہین [1] سے ملت کو آزادی سے ہم کنار کر)۔ وہی بات یہاں کہہ گیا ہے کہ

سرگذشتِ ملتِ بیضا بگوے　　با غزال از وسعتِ صحرا بگوے

(روشن ملت یعنی ملتِ اسلامیہ کی سرگزشت بیان کر۔ ہرن سے صحرا کی وسعت کی بات کر۔ ملتِ اسلامیہ کے سامنے ان کی گزشتہ عظمت کی تاریخ بیان کر کے ان کے اندر پھر سے اسلام کی سربلندی کا جذبہ پیدا کر اور اسے یہ بتا کہ تمہارے پاس جو تعلیماتِ قرآنی ہیں وہ تو صحرا کی سی وسعت رکھتی ہیں جب کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ غیر قرآنی ہے)۔ یہ کیا حسین تشبیہ ہے صاحب!

فطرتِ تو مستنیر از مصطفیٰؐ ست　　باز گو آخر مقامِ ما کجاست؟

(تیری خِلعت حضرت محمد مصطفی ﷺ کے نور سے روشن ہے۔ پھر سے بیان کر کہ آخر ہم مسلمانوں کا مقام کیا ہے)۔ یہاں یہ ایسے مقام پہ چیخ اٹھتا ہے۔ اب آگے مردِ حق کے متعلق کہا' وہاں مُلّا کے متعلق کہا تھا۔

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو

(مردِ حق کسی سے رنگ و بُو نہیں لیتا۔ وہ صرف صِبغت اللہ یعنی اللہ کا رنگ و بُو (یعنی صفات) اختیار کرتا ہے' اپنی زندگی کو صفاتِ خداوندی میں ڈھالتا ہے)۔ اسے یوں کہیے کہ مردِ حق بے رنگ بھی نہیں ہوتا۔ زندگی بے رنگ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو صبغت اللہ ہوتا ہے۔

جہاں را خود بچشمِ خود نہ بیند

(وہ جہان کو خود اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا)۔ اس کی پہلی چیز یہ ہے جی! اسے پھر سنیے:

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بُو　　مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بُو

---

[1] اس ''اپنا ہاتھ اپنی آستیں سے باہر لا'' (دستِ خویش از آستیں آور بروں) کی وضاحت وصراحت کے لیے دیکھیے: پرویزؒ: مطالب القرآن فی دروس الفرقان سورۃ طٰہٰ' (ڈاکٹر منظور الحق: مدیر)' ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ' لاہور' 2005' (خصوصی طور پر ص ص۔ 73 تا 75 اور ص 74 کے فٹ نوٹ 2 تا 4)

(مردِ حق کسی سے رنگ و بو نہیں لیتا۔ وہ تو خدا کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے' مردِ حق صرف صفاتِ خداوندی سے رنگ و بُو لیتا ہے)۔ وہ بے رنگ نہیں ہوتا' زندگی بے رنگ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ رنگ لیتا ہے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ❶ (2:138)۔ یہ ہے: ''مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو''۔

ہر زماں اندر تپش ❷ جانے دگر

(ہر گھڑی اس کی تپش میں ایک نئی جان ہوتی ہے' وہ ہر وقت سرگرمِ عمل رہتا ہے)۔ اس کی جان کی تازگی کے لیے کہا ہے کہ

ہر زماں اندر تپش جانے دگر — ہر زماں اورا چو حق شانے دگر

(ہر گھڑی اس کی تپش میں ایک نئی جان ہوتی ہے اور ہر لمحہ حق کی طرح اس کی ایک نئی ''شان'' ہوتی ہے)۔ اقبالؒ ہمیشہ یہ آیتِ قرآن حکیم کہتا ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (55:29)۔ اس سے یہی مطلب لیا کرتے تھے کہ خدا ایک (REALITY) حقیقت ہے' جو ہمیشہ محسوسات کے اندر جلوہ پیرا ہوتا ہے اور اس کا APPEARANCE (ظہور)' ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (55:29) کے وہ یہ معنی لیا کرتے تھے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ

ہر زماں اورا چو حق شانے دگر

(ہر لمحہ حق کی طرح اس کی ایک نئی ''شان'' ❸ ہوتی ہے)

راز ہا با مردِ مومن باز گوے — شرح رمزِ 'کل یوم' باز گوے

(اے مردِ حق! مردِ مومن سے بھولے ہوئے راز پھر سے بیان کر۔ اُس سے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (55:29) کی رمز بیان کر کہ جس طرح حق ہر لمحہ ایک نئی صفاتی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہتا ہے تو بھی میدانِ عمل میں سرگرم ہو کر ہر لمحہ ایک نئی ''شان'' کے ساتھ جلوہ گر ہو)۔ یہ وہی كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ❸ (55:29) آ گیا۔

جز حرم منزل ندارد کارواں — غیرِ حق در دل ندارد کارواں

(مسلمانوں کا قافلہ کعبہ کے سوا کوئی منزل نہیں رکھتا۔ یہ قافلہ حق کے سوا دل میں کچھ نہیں رکھتا۔ مومن کے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور نہیں بستا اور اس کی منزلِ زندگی اللہ کے سوا کوئی اور نہیں)۔ کاروانِ مسلم کی منزل حرم ہے۔ قافلۂ امت کے متعلق تو یہ چیز ہے۔ آ گے کہا ہے کہ

من نمی گویم کہ راہش دیگر است

---

❶ نجات و سعادت قانونِ خداوندی سے یک رنگ و ہم آہنگ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس رنگ سے زیادہ حسین رنگ اور کونسا ہو سکتا ہے (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص:50)۔ ❷ 1947ء میں طبع ہونے والے نسخے میں یہ لفظ ''تنش'' لکھا گیا ہے لیکن کلیاتِ اقبال (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور) میں یہ لفظ ''تپش'' ہے۔ ❸ مختلف حالات اور مختلف مراحل میں' ہر شے کی نشوونما کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ خدا کا نظامِ ربوبیت یہ ہے کہ ہر شے کو' اس کی حالت کے مطابق' سامانِ نشوونما ملتا رہتا ہے (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 1259 نیز دیکھیے 14:34;35:15)۔

(میں یہ نہیں کہتا کہ اس قافلۂ ملت کا راستہ کوئی اور ہے۔ راستہ تو وہی ہے جو حرم (کعبہ) کو جاتا ہے) مگر وہ جو اس کے ہاں کا روایتی راستہ چلا آ رہا ہے' وہ تو اسی راستے پر چلا جا رہا ہے۔ مصیبت یہ ہوگئی کہ

کارواں دیگر نگاہش دیگر است!

(قافلہ وہ نہیں' اس قافلے کی نگاہ وہ نہیں یعنی مسلمانوں کی سوچ بھی بدل گئی ہے' دراصل ان کا زاویۂ نگاہ بدل گیا ہے) ۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ جو افراد ہیں' یہ کارواں نہیں رہا فرد فرد ہو گیا' ملتِ واحدہ نہیں رہی اور ان کا زاویہ نگاہ بدل گیا ہے ورنہ حقیقت میں ہر شخص کی منزل وہی ہے' وہ غیر از حق کوئی بھی چیز قبول نہیں کر سکتا لیکن نگاہ کے زاویئے بدلنے سے' کارواں کی کاروانی حیثیت نہیں رہی بلکہ وہ کچھ اور ہو گیا' ملت کچھ اور ہوگئی ہے۔ اگرچہ راستہ وہی ہے جس کی سمت حرم ہے۔

افغانی

یہ بات تو سعید حلیم پاشا (1921-1865ء) نے کی اور اب جمال الدین افغانی (1897-1838ء) آگے بڑھتا ہے۔ اگلا عنوان ہے افغانی۔ یہ بڑے وجد آور نکات ہیں۔ سعید حلیم پاشا کی بات ختم ہوتی ہے تو جمال الدین افغانی ''زندہ رود'' (اقبالؒ) کو کہتے ہیں:

از حدیثِ مصطفیٰؐ داری نصیب؟

(کیا تُو حدیثِ مصطفیٰؐ سے کچھ حصہ رکھتا ہے؟)۔ کہا کہ تم نے قرآن حمید کی یہ آیت تو پڑھی ہے کہ **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ** (55:29)' اب میں تمہیں حدیثِ مصطفیٰؐ بتاتا ہوں۔ حضور ﷺ کی ایک ارفع و اعلیٰ حدیث ہے جس کا مُلّا نے جھٹکا کر دیا ہوا ہے۔ وہ بلند پایہ حدیث ''الاسلام جاءَ غریب الخ'' ہے' اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''اسلام غریبوں کا دین ہے' غریبوں میں رہا اور آئندہ بھی غریبوں ہی میں رہے گا''۔ یہ لوری دے کر غریبوں کو تھپتھپاتے ہیں کہ غریب ہی اسلام کے جاں نثار ہیں جب کہ دوسری طرف امیر و کبیر کو' اہل زر اور اُمرا یہ باور کرواتے ہیں کہ دیکھیے! یہ غریب غربا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس حالتِ زار سے دوچار ہیں۔ یہ کیفیت ہے ہماری مذہبی پیشوائیت کی۔

عربی زبان کے لفظ ''غریب'' کو پنجابی مفہوم میں بدلنے کا نتیجہ:

نادر یا ندرت کے معنی غریبی میں بدل گئے

دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اچھے پڑھے لوگوں کو میں نے ترجمہ کرتے ہوئے سنا اور ان سے پوچھا کہ صاحب! آپ عربی زبان کا لفظ غریب استعمال کر رہے ہیں۔ کیا عربی میں اس کے معنی مفلس بھی ہیں؟ زبان آپ عربی بولتے ہیں' اس کا ترجمہ آپ پنجابی میں کرتے ہیں! عربی زبان میں ''غریب'' تو کہتے ہی ''اجنبی'' کو ہیں' ''نادر چیز'' کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث ایک ''نادر چیز'' ہے۔ یہاں یہ کہا ہے کہ اسلام تمہیں ہر جگہ نہیں ملے گا' یہ یہیں ملے گا اور ہمیشہ نادر ہی رہے گا' یہ دوسروں

سے منفرد ہوگا' یہ ان میں سے نہیں ہوگا' اس کے اندر ندرت ہوگی۔''غرابت'' کے معنی ''ندرت'' ہوتے ہیں۔اصل میں عربی زبان میں وہ نادر شے جو دوسروں سے الگ تھلگ نظر آئے' اسے ''غریب'' کہتے تھے۔مسافر کے معنی میں تو یہ استعمال ہوجاتا ہے کہ یہ اس شہر کے باسی نہیں جب کہ ''غرابت'' کے معنی ان کے ہاں ہمیشہ ''ندرت'' کے ہوتے ہیں۔یہ ان معنوں میں آتا کہ یہ ''نادر چیز'' ہے(اورانہوں نے اس بلند پایہ حدیث (الاسلام جآء غریب) میں عربی کے لفظ ''غریب'' کا ترجمہ پنجابی کے لفظ غریب سے کرکے اس کا جھٹکا ہی کردیا)۔

اب آگے جمال الدین افغانی کہتا ہے کہ

دینِ حق اندر جہاں آمد 'غریب' — با تو گویم معنئ ایں حرفِ بکر

غربتِ دیں نیست فقرِ اہلِ ذکر

(اسلام دنیا میں ''غریب'' آیا تھا۔میں تیرے سامنے اس اچھوتے لفظ ''غریب'' کا مفہوم بیان کرتا ہوں۔دین کی ''غربت'' سے مراد فقرِ اہلِ ذکر نہیں ہے۔اس سے مراد مسکینی اور مفلسی نہیں ہے)۔یہ غریبی نہیں ہے۔یہ VIRGIN (اچھوتا' بے داغ) ہے' اس کے معنی وہ ہوتے ہیں جسے حرفِ بکر کہتے ہیں یعنی ''ایسا حرف جو اچھوتا سا ہو''۔یہ اچھوتا سا لفظ' حرفِ بکر ہے۔بکر کے معنی VIRGIN (اچھوتا' بے داغ) ہوتے ہیں اور فقر کے معنی ''احتیاج'' ہوتے ہیں۔بکر کی جمع ابکار ہوتی ہے۔حرفِ بکر کا مفہوم ہوگا ''اچھوتا لفظ''۔یہ ادب کی ایک اصطلاح ہے۔اور یوں کہ اگر کسی مضمون کو اچھوتا کہنا ہو تو اس کو اہلِ عرب بکر یا ابکار کہتے ہیں۔تو یہ ایک اچھوتا سا لفظ ہے۔کہا کہ میں تمہیں اس کے معنی بتاتا ہوں' اس کے معنی فقیری نہیں ہیں

غربتِ دیں نیست فقرِ اہلِ ذکر

یہ مسلمان کی فقیری نہیں' احتیاج نہیں ہے کہ ضرورتیں کماحقہ پوری نہ ہوسکتی ہوں۔کہا ہے کہ

بہرِ آں مَردے کہ صاحب جستجو است — غربتِ دیں ندرتِ آیاتِ اوست

(جستجو کرنے والے مرد کے لیے ''غربتِ دیں'' اس کی آیات کی ندرت ہے کہ جو قرآنِ کریم کی آیات پر غور وفکر کرتے ہیں انہیں ندرت کاریاں ہاتھ آجاتی ہیں)۔

تقلید سے بالاتر زندگی کا نتیجہ تو ہر آن ایک نئی شان کی حامل قوم کی صورت میں نمودار ہوتا ہے

جب ندرت آئی تو ساری تقلید ختم ہوگئی۔قرآنِ کریم نے کہا کہ وہ ہر زماں كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (55:29) ہے۔اس نے کہا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہر دور میں اس کی آیات کے اندر ندرت ہوگی۔اس لیے صاحبِ جستجو کی ضرورت ہے۔اور صاحبِ جستجو یہ چیز پالے گا کہ ہر دور میں اس کی آیات کا مفہوم نادر ہوگا ان کے معنی ''نادر'' کے آئیں گے۔

غربتِ دیں ہر زماں نوعِ دگر   نکتہ را دریاب اگر داری نظر
دل بہ آیاتِ مبیں دیگر بہ بند

(دین کی ''غربت'' ہر زمانے میں انوکھی ہوتی ہے۔ اگر تُو صاحب نگاہ ہے تو بات کو سمجھ اور قرآنِ کریم کی بیّن آیات سے دوبارہ دل لگا)۔ یہاں ندرت آ گیا کہ دین ہر زمانے میں نئے تقاضوں کے ساتھ آتا ہے۔ یہ اس کی ندرت ہے۔ آپ کے ہاں رواج پانے والی فرسودہ چیزیں اس کسوٹی پر پورا نہیں اتریں گی' یہ ''دیگر بہ بند'' ہیں' یہ دل کو دوبارہ لگانے والی چیزیں ہیں۔

تا بگیری عصرِ نو را در کمند!

(تا کہ تُو نئے زمانے کو کمند میں لا سکے' تُو عصرِ نو کی خرابیوں کو دُور کر کے اسے ایسی شکل دے سکے جو منشائے قدرت ہے)۔ کیا بات ہے صاحب! ان میں کیسے کیسے راز افشا کر دیئے!

افغانی کی آہ وفغاں اقبالؒ کی زبانی

کس نمی داند ز اَسرارِ کتاب   شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب

(کوئی کتابِ قرآن حکیم' کے اَسرار نہیں جانتا۔ اس لیے اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں بے قرار اور گمراہ ہیں)۔ ان شرقیوں اور غربیوں پر جو فرسودگی چھا رہی ہے ان میں ایک نئی چیز پیدا ہوئی ہے۔ اقبالؒ کے دور میں وہ روس تھا جس میں ایک ہی نادر [1] چیز آئی تھی۔ یہ ہمارے دور میں بھی تھی اور اس کے دور میں بھی۔ اس کا تذکرہ جمال الدین افغانی جو روس سے ہو کر آیا تھا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

روسیاں نقشِ نوی انداختند   آب و ناں بردند و دیں در باختند!

(روسیوں نے کمیونزم کی شکل میں نیا ہی نقش بنایا۔ انہوں نے روٹی اور پانی تو لیا لیکن دین ہار گئے)۔ ''کم دی گل کیتی سی ایہناں نیں اک' لیکن ایہدا کی علاج؟'' (انہوں نے ایک کام کی بات کہی تھی لیکن اس کا کیا علاج؟) ایک مصرع میں دیکھیے کہ کمیونزم کے اس سارے نظریئے کو الٹ کر رکھ دیا۔ وہ لینن (1870-1924) کو CREDIT (تحسین) بھی پیش کر رہا ہے کہ ''نقشِ نوی انداختند''۔ بلاشبہ وہ ایک نادر چیز لائے' کہ کہنگی و فرسودگی سے الگ ہو گئے لیکن یہ کیا مصیبت آئی کہ ''آب و ناں بردند و دیں در باختند'' (روٹی اور پانی تو دیا لیکن دین ہار گئے) یعنی کیا غضب کیا کہ نان تو دیا مگر دین غائب کر دیا'' اکی مصرعے وچ اے سب ختم'' (ایک ہی مصرع میں اس سب کی بساط الٹ کر رکھ دی)۔ آگے کہا کہ

حق ببیں حق گوے و غیر از حق مجوے   یک دو حرف از من بہ آں ملّت بگوے

(تُو اے زندہ رود (اقبالؒ)! حق کو دیکھ' حق کہہ' اور سوائے حق کے کسی چیز کی جستجو نہ کر۔ ایک دو باتیں مجھ سے لے کر

---

[1] یہ انقلابِ روس کی طرف اشارہ ہے جو نومبر 1917ء کی سات (7) تاریخ کو آیا اور بالشویک کے ہاتھوں' لینن (1870-1924ء) کی سربراہی میں' الیگزینڈر کیرنسکی (1881-1970ء) کی حکومت کو ختم کر کے (سول وار 1918-1922ء) کے نتیجہ میں روس میں برپا ہوا۔

روسی قوم تک پہنچادے)۔اب اقبالؒ جمال الدین افغانی کی زبان سے روس کے نام پیغام بھیجتا ہے۔

پیغامِ افغانی باملّتِ روسیّہ

اب یہاں سے اگلا عنوان ''پیغام افغانی با ملت روسیہ'' یعنی جمال الدین افغانی کا پیغام روسی قوم کے لیے آتا ہے۔ اقبالؒ روس والوں کو یہ پیغام بھیجتا ہے۔ پہلے اس بات کا گلہ کرتا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا وہ مسلمانوں کو کرنا چاہیے تھا لیکن اس مسلمان قوم کے متعلق کیا بتایا جائے کہ

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است　　رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

''قرآں دیگر'' ہے اور ''مسلماں دیگر'' ہے۔ کہتا ہے کہ (قرآن کا مقصود و منزل اور ہے۔ مسلمان کی ''رسم وآئین'' اور ہے۔ آج کے مسلمان کو قرآن سے کوئی نسبت نہیں رہی)۔ اگر تم مذہب کی بیخ کنی کرنے اٹھے ہو تو ٹھیک ہے تم مسلمانوں کا مذہب مٹا سکتے ہو لیکن اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ جو دین اسلام لے کر بیٹھے ہیں وہ مٹ جائینگے۔ نہیں، قرآن کا مذہب (دین اسلام) نہیں مٹے گا۔ مذہب کے خلاف تمہارا اعتراض اور مخالفت کہیں قرآن کے خلاف نہ ہو جائے کیونکہ مذہب کی برائی رسم وآئین مسلمان تو ہو سکتی ہے مگر ''منزل و مقصودِ قرآں دیگر'' ہے۔ یہ شخص کتنے حسین پیرائے میں دونوں کا فرق واضح کر گیا۔ مسلمان کے متعلق کہتا ہے کہ

در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست　　مصطفیٰؐ در سینۂ او زندہ نیست!

(آج کے مسلمان کے دل میں باطل کو جلا دینے والی آگ نہیں ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ اس کے سینے میں زندہ نہیں ہیں) ''دردلِ او آتش سوزندہ'' نہیں ہے اور دل میں مصطفیؐ زندہ نہیں ہے اس لیے کہ

بندۂ مومن ز قرآں برنخورد　　در ایاغِ او نہ مَے دیدم، نہ دُرد

(بندۂ مومن نے قرآن مجید سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اس کے پیالے میں، میں نے نہ شراب دیکھی، نہ تلچھٹ دیکھی، ان کی زندگی تعلیماتِ قرآنی سے کماحقہ بے گانہ ہو چکی ہے) یعنی ''او'' شراب تو ایک طرف رہی، مجھے تو اس کے پیالے سے قرآن حکیم کی تلچھٹ بھی نہیں ملی۔ کہا کہ یہ ہے اس قوم کی کیفیت

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست　　خود سرِ تختِ ملوکیت نشست!

(مسلمانوں نے خود قیصر و کسریٰ کا جادو توڑا، ملوکیت کا نظام ختم کر کے نظامِ خلافت قائم کیا لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد خود ہی ملوکیت (بادشاہت) کے تخت پر بیٹھ گیا، پھر وہی نظام اپنا لیا۔ پوچھا کہ) کیا ایسی قوم بھی دنیا میں پھر نظر آئے گی؟

تا نہالِ سلطنت قوت گرفت

جب ان کے ہاں سلطنت کے پودے نے ذرا تقویت پکڑی تو

دینِ او نقش از ملوکیت گرفت

(اس کے دین نے ملوکیت (IMPERIALISM) کا نقش اختیار کرلیا) یعنی پہلے اپنا نظام بادشاہی میں بدلا کیونکہ اس وقت ذرا کمزور تھے لیکن جب سلطنت مستحکم ہوگئی تو دین پر ملوکیت کا ملمع چڑھا دیا (یعنی پہلے تو صرف بادشاہ بنے پھر قوت حاصل کرنے کے بعد دین پر ملوکیت کا ٹھپہ لگا دیا)۔

از ملوکیت نگہ گردد دگر!　　عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر!

(ملوکیت سے نگاہ کچھ اور ہو جاتی ہے۔ عقل، ہوش اور رسم و راہ کچھ اور ہو جاتی ہے) یعنی جب ایسا ہوتا ہے تو عقل و ہوش، اور رسم و رہ ''گردد دگر'' کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ آج مسلمان کی یہ حالت ہے۔

علامہ اقبالؒ نے کہا کہ اے قومِ روس! تُو نے یہ کیا کر دیا؟

پوچھا کہ

تو کہ طرحِ دیگرے انداختی　　دل ز دستورِ کہن پرداختی

(اے روسی قوم! تُو نے ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی اور پرانے دستورِ حیات و سلطنت سے دل اٹھا لیا ہے)۔ اس دنیا کے سرمایہ داری نظام اور مذہبی پیشوائیت کے فرسودہ رسم و رواج کو تُو نے تہس نہس کر ڈالا۔

ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں　　قیصریت را شکستی استخواں

(ہم مسلمانوں کی طرح تم نے بھی دنیا میں قیصریت کی، بادشاہت کی) ہڈیاں توڑ کر رکھ دیں۔

تا بر افروزی چراغے در ضمیر

(تا کہ تُو اپنے ضمیر میں چراغ روشن کر سکے)۔

ملوکیت کی اجارہ داری کو توڑ کر اسے دوبارہ سر کا تاج نہ بنا لینا

اب تمہارا اگلا کام انسان کے ضمیر کے اندر دیا جلانا ہے اور یہ تُو اس وقت کر سکے گا جب تُو

عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر

(ہماری سرگزشت سے عبرت حاصل کر لے گا)۔ ''ساڈے ورگا نہ ہو جائیں۔ ہڈیاں اسی وی توڑیاں سن لیکن اونہاں دا ریزہ ریزہ چن کے تے نویں بُت فیر اسیں آپ بنا لئے سَن'' (ہماری طرح کا نہ ہو جانا ہڈیاں ہم نے بھی توڑی تھیں لیکن پھر ریزہ ریزہ چن چن کر نئے لات و ہبل بنا لیے)۔ کہا کہ ''عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر'' (ہماری سرگزشت سے عبرت حاصل کر)۔

پائے خود محکم گذار اندر نبرد　　گردِ ایں لات و ہبل دیگر مگرد

(اس جنگ میں، اے قومِ روس! جو تُو نے شروع کی ہے، مضبوطی سے اپنے پاؤں جما کر رکھ۔ ان لات و ہبل بتوں کے

گرد پھر طواف نہ کر)۔سن! ایک دفعہ ہم نے بھی یہ صنم کعبے سے نکال دیئے تھے' ایسا نہ ہو کہ ہماری طرح یہ پھر دماغوں کے اندر بس جائیں۔ایسا مت کرنا۔اگر آج اقبالؒ زندہ ہوتا تو دیکھتا کہ ان روسیوں نے کیا کیا۔وہ پھر ہماری طرح ہو گئے۔

آج نوعِ انسانی کو پھر ایک بار ''تنذیر'' کے بعد ''تبشیر'' کی ضرورت ہے

کہا ہے کہ

ملّتے می خواہد ایں دنیائے پیر

یہ پرانی دنیا اب اس قسم کی ملّت چاہتی ہے جو

آں کہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر!

(بشیر بھی ہو اور نذیر بھی)۔''نذیر'' تو تُو ہو گیا اور وہ ''حصہ لا'' ہے۔ٹھیک ہے تم یہ ترک کر رہے ہو لیکن تمہارے پاس ''بشارت'' نہیں۔آج دنیا کو اس ملت کی ضرورت ہے جو''تنذیر'' کے بعد اپنے ساتھ ''تبشیر'' بھی رکھے۔

باز می آئی سوئے اقوامِ شرق بستہ ایامِ تو با ایّامِ شرق

(تُو دوبارہ مشرقی اقوام کی طرف آ۔تیرے زمانے مشرق کے زمانوں سے ملے ہوئے ہیں)۔اقبالؒ کتنا بڑا مستقبل دیکھ رہا تھا کہ سارے مشرق کا مستقبل تمہارے دامن کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

روس کا یہ انقلاب تو صرف ''لا'' کی حد تک محدود تھا

کہا ہے کہ

تو بجاں افگندۂ سوزے دگر در ضمیرِ تو شب و روزے دگر!

(تُو نے اپنی جان میں اب ایک نیا سوز پیدا کیا ہے یعنی اس نئے نظام کو اختیار کر لیا ہے۔تیرے ضمیر کے اندر اب نئے شب و روز ہیں)۔ایسا کر کے ایک انقلابی کی طرح تُو نے تہلکہ تو مچا دیا تھا۔روس کا یہ بڑا کارنامہ تھا۔

کہنہ شد افرنگ را آئین و دیں سوئے آں دیرِ کہن دیگر مبیں

(فرنگیوں کے لیے ان کا دین اور ان کا آئین پرانے ہو گئے۔ان کے پرانے مندر یا بُت خانے کی طرف دوبارہ نہ دیکھ) کہ نظام سرمایہ داری تمہارے ہاں دوبارہ نہ لوٹ آئے۔

آخر کار انسان کو ''لا'' کے بعد سدا بہار وادیوں کے حصول کے لیے

''الا'' یعنی اللہ کا نظامِ حیات قائم کرنا ہی ہو گا

آگے کہا ہے کہ

کردۂ کارِ خداونداں تمام بگذر از لا جانبِ اِلّا خرام

(تُو نے پرانے آقاؤں کا کام تمام کر دیا' زارِ روس اور اس کے امراکو' روس کے جملہ جاگیرداروں اور وڈیروں کو ختم کر دیا ہے۔ اب تو ''لا'' کی منزل سے گزر جا اور ''الا'' کی منزل کی طرف چل۔ تُو نے اے ملتِ روسیہ! ہر آقا کی نفی کر دی ہے۔ اب ایک آقا کو مان لے جو سب آقاؤں کا آقا ہے' جس کے نظام کو زوال نہیں اور وہ نظام ہے نظامِ قرآنی) اب یہ تیرے کرنے کا کام ہے۔

در گذر از لا اگر جویندۂ تا رہِ اثبات گیری زندۂ

(اگر تُو جستجو کرنے والا ہے تو ''لا'' (نفی) سے' انکارِ خدا کی منزل سے بھی گزر جا' اس نفی کے آگے ایک اور منزل ہے' وہ منزل ہے اثبات کی' الا کی۔ وہ ہے خدا تعالیٰ کے اثبات کی' اس کے نظام کے اثبات کی)۔ یہ ہے کرنے کا کام۔ ''لا'' سے ''الا'' کی طرف چل۔ جب تک تُو مثبت' تعمیری (CONSTRUCTIVE)' راستہ نہ لے گا' تجھے زندگی نہیں مل سکتی۔ ٹھیک ہے ''لا'' کی وادیوں کے اندر توڑ پھوڑ ہوسکتی ہے' زندگی نہیں مل سکتی۔ اس لیے

اے کہ می خواہی نظامِ عالمے جُستۂ اورا اساسِ محکمے؟

(اے کہ روسی قوم! تُو ایک عالمگیر نظام قائم کرنا چاہتی ہے۔ کیا تُو نے اس کے لیے کوئی مضبوط بنیاد تلاش کر لی ہے؟) تمہاری یہ INTENTION (خواہش' نیت) بین الاقوامی تھی' تم کمیونزم کے نظام کو عالمگیری بنانا چاہتے ہو' ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کے لیے تُو نے کوئی محکم بنیاد بھی تلاش کر لی ہے؟

اُم الکتاب ہی نوعِ انسانی کا آخری سہارا ہے

داستانِ کہنہ شستی باب باب

شستہ کے معنی ہیں ''دھوتا چلا گیا ہے''۔ تُو نے پرانی داستانوں کا ایک ایک باب توڑ کر رکھ دیا ہے' ختم کر دیا ہے' ان کہنہ داستانوں کا ایک ایک باب دھوڑالا ہے' ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔

فکر را روشن کُن از اُمُّ الکتاب

(اب تُو یہ کام کر کہ اپنی فکر کو ام الکتاب یعنی قرآنِ کریم سے روشن کر)۔ تُو نے پرانی داستانوں کو دھوڑالا ہے اور یہ ایسے ہی ہے کہ نئے اور پرانے تمام اوراق صاف ہو گئے۔ سب دھو دیئے۔ اے پاگل! اب بتا کہ کرنا کیا ہے؟ یہ کہ ''فکر را روشن کُن از اُمُّ الکتاب'' (اپنی فکر کو ام الکتاب یعنی قرآنِ کریم سے روشن کر)۔ یہ بڑا خوبصورت انداز ہے بات کہنے کا! آگے پوچھا ہے کہ

باسیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟

(سیاہ رنگ والوں کو یدِ بیضا کس نے دیا؟) تُو جو اسے عالمگیر بنانا چاہتا ہے' تو آؤ تمہیں بتائیں کہ یہ UNIVERSAL

(عالمگیر) کس نے بنایا تھا؟ یہ سیاہ فام جو آج بھی حبشی کہلاتے ہیں وہ تمہارے نزدیک انسان کہلوانے کے مستحق نہیں ہیں۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ سیاہ فاموں کو یدِ بیضا[1] کس نے دیا تھا؟ اگر کمیونزم کو عالمگیری بنا کر دنیا میں نافذ کرنا چاہتے ہو تو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔

قیصر و کسریٰ کے نظام کے بارے نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک

کہتا ہے کہ

مژدۂ ' لا قیصر و کسریٰ ' کہ داد؟

(بتا کہ قیصر و کسریٰ کی نفی کی خوشخبری کس نے سنائی؟ کس نے کالوں کو گوروں کے برابر درجہ عطا کیا؟) حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ کسریٰ کو ختم کرو، پھر کسریٰ نہیں ہوگا، یہ قیصر ختم ہو جائے گا پھر قیصر نہیں ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ ملوکیت کا نظام دنیا کے اندر ختم ہو جائے گا۔ ''مژدۂ لا قیصر و کسریٰ کہ داد؟'' آج تم نے اسے نمونہ بنا لیا۔ ٹھیک ہے یہ قابلِ فخر بات ہے لیکن ذرا یہ بھی بتاؤ کہ چودہ سو سال پیشتر یہ کس نے کیا تھا؟ یہ شخص حضرت محمد ﷺ تھے، وہ کتاب قرآن تھی اور وہ روشِ حیات اسلام تھی۔ اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کے بعد تمہیں چاہیے کہ اس کے نقشِ قدم سے ذرا GUIDANCE (راہنمائی) حاصل کر لو۔

در گذر از جلوہ ہائے رنگ رنگ　　خویش را دریاب از ترکِ فرنگ!

(عصرِ حاضر کے رنگا رنگ فکری و سیاسی جلووں کو چھوڑ دے۔ فرنگ کے دیئے ہوئے ان رنگ رنگ جلوؤں کو ترک کر کے اپنے آپ کو پا، ان کی پیروی نہ کر بلکہ قرآنِ مجید سے راہنمائی حاصل کر)۔ ترکِ فرنگ کوئی مشکل شے نہیں، یہ ٹھیک کہ پہلی تمہید یہی ہے، خویش را دریاب یعنی اپنے آپ کو دریاب کر، اپنے آپ کو پا۔

ساری زندگی صرف روٹی کے حصول میں گزار دینا، مومن ایسا نہیں کرتا

گر ز مکرِ غربیاں باشی خبیر　　روبہی بگذار و شیری پیشہ گیر

(اگر تُو مغرب والوں کے مکر سے خبردار ہے تو لومڑ کا انداز چھوڑ کر شیر کا پیشہ اختیار کر)۔ اب سوال ابھرتا ہے کہ یہ روبہی کیا ہے؟ یہ لومڑی بننا کیا چیز ہے؟ کہتا ہے کہ

چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ

(یہ روباہی، یہ لومڑی کی طرز کا نظامِ زندگی کیا ہے؟ یہ دنیاوی ساز و سامان کی تلاش کرنا ہے)۔ یہ تو ہمہ وقت اپنی دنیاوی

[1] یدِ بیضا کے قرآنی مفہوم کے لیے دیکھیے پرویزؒ: مطالب القرآن فی دروس الفرقان ''سورۃ طٰہٰ'' (پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق: مدیر) ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ، لاہور، 2005، ص: 64 تا 68

ضروریات کے پیچھے لگے رہنا ہے‘ سارا وقت روٹی کی فکر میں ہی لگے رہنا ہے۔ یہ مثنوی کا شعر ہے کہ

آں کہ شیراں را کند روباہ مزاج — احتیاج و احتیاج و احتیاج

یہ وہ حقیقت ہے کہ جس میں ہر وقت روٹی کی فکر لے کر‘ احتیاج میں چلنا‘ روباہی ہے۔

چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ — ’ شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ ‘

(یہ روباہی طرز کا نظامِ زندگی کیا ہے؟ یہ دنیاوی ساز وسامان کی تلاش کرنا ہے‘ ہر وقت روٹی کی فکر کرنا ہے۔ سنو! اللہ کے شیر کے لیے آزادی ہے یا موت) یعنی یا وہ آزاد رہتا ہے یا مر جاتا ہے‘ جان دے دیتا ہے فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (9:111) یا تو دشمن کو قتل کر کے‘ فاتح ومنصور واپس آتے ہیں یا خود اپنی جان دیدیتے ہیں۔ شیرِ مولا ایسا کرتا ہے۔ یوں نہیں ہوتا کہ روٹی کی فکر میں ساری عمر سرگرداں رہتا رہے‘ یہ تو روباہی ہے۔

جز بقرآں ضیغمی روباہی است

قرآن کریم درمیان میں نہ ہو تو پھر شیر بھی لومڑی ہو جاتا ہے۔

فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است

(فقرِ قرآن ہی اصل شاہنشاہی ہے)۔ اب سوال یہ ہے کہ فقرِ قرآن کریم کیا ہے؟

وحی کے امتزاج کے بغیر عقلِ انسانی پختہ شعور کی حامل ہو ہی نہیں سکتی

کہتا ہے کہ

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جز بذکر

(قرآن کا ’’فقر‘‘ ذِکر اور فِکر کا اختلاط ہے۔ میں نے فکر کو ذکر کے بغیر نہیں دیکھا)۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وحی عقل کے ساتھ ملے گی تو پھر اس امتزاج سے فکر پختہ ہوگا۔ فقرِ قرآن اصل چیز ہے اور فکر کامل ہوتا ہے ذکر سے۔ اب ذکر کیا ہے؟ کہتا ہے کہ

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب

(ذکر کیا ہے؟ یہ ذوق وشوق کو ادب (DISCIPLINE) سکھانا ہے)۔ آہاہاہاہا! اس سے بہتر کہا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ ’’ذوق وشوق‘‘ کو DISCIPLINE (نظم وضبط) دیتا ہے۔

درجنوں از خود نہ رفتن کارِ ہر دیوانہ نیست

یہ ہے جی ذکر۔ قرآنِ کریم ذوق وشوق کو نہ تو دباتا ہے‘ نہ ہی کچلتا ہے اور نہ ہی یہ نفس کشی کے حق میں ہے۔ وہ اس کو ادب سکھاتا ہے اور نظم وضبط دیتا ہے۔ کیا عجیب چیز ہے صاحب!

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب   کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب

(ذکر کیا ہے؟ یہ ذوق وشوق کو ادب سکھاتا ہے' یہ جان کا کام ہے نہ کہ ہونٹوں کا یعنی ذکر جذبات انسانی کی نگہداشت کرنے اور ان کو ان کی صحیح سمت عطا کرنے والا ہے)۔اس میں تو جان مارنا پڑتی ہے' یہ دہن ولب کی بات نہیں ہے۔زبانی گفتگو سے' وعظ ونصیحت سے' منطق سے' فلسفے سے' یہ بات نہیں بن سکتی۔''کارِجان است ایں'' اس میں تو جان مارنی پڑتی ہے' خونِ جگر سے اور قلب کی گہرائیوں سے یہ بات نکلے گی۔''ذوق وشوق را دادن ادب'' کوئی چھوٹی بات نہیں ہے' یہ بڑی چیز ہے۔

خیزد ازوے شعلہ ہائے سینہ سوز   با مزاجِ تو نمی سازد ہنوز

(اس سے یعنی اللہ کے ذکر سے سینے کو جلا دینے والے شعلے اٹھتے ہیں جو ابھی تک تیرے مزاج سے موافقت نہیں رکھتے یعنی تمہارا مزاج ابھی ذکر کی لذت سے آشنا اور اس کا طالب نہیں ہے)۔وہ روس سے کہہ رہا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ وحی تیرے مزاج سے سازگار نہیں ہو رہی ہے' تُو اس کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو رہا' یہ ہے کمی تجھ میں۔ذکر کے بعد ڈاکٹر اقبالؒ اب فکر کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر

(اے فکر کے شاداب محبوب پر مر مٹنے والے!) تُو خالص INTELLECT (عقل) کے زور پر چلنا چاہتا ہے۔اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر!

با تو گویم از تجلّی ہائے فکر

آ! میں تمہیں بتاؤں کہ فکر میں تجلّی کس طرح سے پیدا ہوتی ہے؟ اس میں روشنی کہاں سے آتی ہے؟ آ! میں تجھے بتاتا ہوں کہ یہ روشنی قرآن کریم سے آتی ہے۔

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ   دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ!

(قرآن کیا ہے؟ یہ آقا (خواجہ) کے لیے موت کا پیغام ہے۔یہ بے سروسامان بندے کا مددگار ہے)۔وہ کہتا ہے کہ دیکھ! تیری فکر کی کسوٹی پر میری کہی ہوئی ہر بات پوری ہو رہی ہے یا نہیں۔قرآن کریم فکر کو تجلّی دیتا ہے۔دیکھیے کتنا خوبصورت انداز ہے! بات اگرچہ (RATIONAL) عقل وحکمت کی کر رہا ہے لیکن دیکھیے اس میں ذکر کی آمیزش بھی آرہی ہے۔وحی سے انکار کی وجہ سے تُو نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا۔آ تجھے بتاؤں کہ وحی کے ساتھ فکر کو نورانیت کس طرح سے ملتی ہے۔تُو یہ تسلیم کرتا ہے کہ ''خواجہ را پیغامِ مرگ'' یعنی آقا کے لیے یہ پیغامِ مرگ ہے۔تو اپنی (INTELLECT) عقل کی رُو سے ایسا کہہ رہا ہے۔حقیقتاً یہ قرآن کریم کا پیغام ہے۔کہا کہ عجیب منطق ہے کہ فکری طور پہ تو 'قرآن کو مانتا ہے۔اس کے مسلمات کو مان کر جس چیز سے وہ انکار کرتا ہے تو اس کا اثبات کر رہا ہے۔تُو یہی کہتا ہے کہ ''خواجہ را پیغامِ مرگ''۔وہ کہتا ہے کہ یہی بات قرآن

حکیم کہتا ہے پھر اگلا بڑا اصرار یہ ہے کہ مدد ملنی چاہیے یعنی ''دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ'' یہ بے سر و سامان بندے کا مددگار ہے۔ اب بتا کہ تُو اس سے زیادہ اور کیا چاہتا ہے۔

نیکی صرف یہ ہے کہ تُو دوسروں کے لیے کیا کرتا ہے' کیا دیتا ہے

کہتا ہے کہ

ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو

(سونا کھینچنے والے یعنی سونے کے طالب یا دولت کے پجاری سے نیکی کی امید نہ رکھ)۔ سرمایہ دار سے کبھی نیکی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

لن تنالو البر حتٰی تنفقوا

نیکی تو یہ ہے کہ جو کچھ تیرے پاس ہے' اس کو دوسروں کے لیے کھلا رکھ۔ پوچھتا ہے کہ کہیے جناب! آپ کے INTELLECTUAL STANDARD (عقلی معیار) پہ یہ بات پوری اتری ہے یا نہیں؟ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ جو تو یہ کہتا ہے کہ

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!

(ربٰو ی سے آخر کیا پیدا ہوتا ہے؟ یہی جسے فساد کہتے ہیں) یعنی یہ کہ ربٰو ی سے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

کس نداند لذّتِ قرضِ حسن!

(کوئی شخص قرضِ حسنہ کی لذت کو نہیں جانتا)۔ بغیر منفعتِ خویش' جو دوسرے کی مدد کرنا ہے' اس کی لذت کوئی نہیں جانتا۔

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ آدمی درّندہ بے دندان و چنگ!

(ربٰو ی سے جان تاریک اور دل اینٹ پتھر کی مانند ہوجاتا ہے جس میں اپنے لیے نہ سوز رہتا ہے' نہ کسی کے لیے درد۔ اس سے آدمی پنجوں اور دانتوں کے بغیر درندہ بن جاتا ہے)۔ سنیے! چنگ پنجے کو کہتے ہیں اور چُنگ گِدھ وغیرہ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ اور چَنگ وہ بھی ہے جو مضراب سے بجایا جاتا ہے۔ تیز پنجہ چنگ کہلاتا ہے اس نسبت سے جن پرندوں کے ناخن ہوتے ہیں وہ چَنگ کہلاتے ہیں۔ یہاں وہ سوشل آرڈر کے اکنامکس سسٹم سے منسلک ہر گوشے کو سامنے لایا ہے۔

کمیونزم کا سوشل آرڈر قرآنِ حکیم کے معاشی نظام کی ہی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے

یہی کہتے ہو کہ

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست

(اپنے رزق کو زمین سے حاصل کرنا روا ہے) یعنی اس کی پیداوار لینی چاہئیں لیکن مِلکیت نہیں۔

ایں 'متاع' بندہ و ملکِ خداست

(یہ سامانِ زیست بندے کا ہے اور مِلکیت خدا کی ہے)۔ یہ چاہتا یہ ہے کہ یہ ''متاع'' بندہ ہے مگر ملکِ خدا ہے۔

بندۂ مومن امیں' حق مالک است　　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

(بندۂ مومن صرف امین ہے' خدا مالک ہے۔ تُو جو کچھ غیر حق دیکھتا ہے' ہلاک ہونے والا ہے)۔ ''ہالک'' کے معنی ہوتا ہے جی' فناپذیر' ہر آن جس میں تغیر آتا چلا جائے۔ کہا کہ تُو جو کچھ دیکھتا ہے وہ تغیر پذیر ہے۔ فکری طور پہ تُونے اپنے اس سوشل آرڈر (SOCIAL ORDER) یا اکنامک آرڈر (ECONOMIC ORDER) کے متعلق جو سوچا ہے' پہلے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دیکھو' قرآن کریم اس کی ایک ایک چیز کی تائید کرتا ہے۔ حقائق جب فکری طور پر سامنے ہوں تو قرآن کریم ان کی تردید نہیں کرتا' وہ تو بعینہٖ وہی کچھ کہتا ہے جو کچھ تمہارا ECONOMIC STRUCTURE (معاشی ڈھانچہ) کہتا ہے۔ تُو اس کو پہلے دیکھ۔

کائنات کی ہر شے میں ہر آن ایک تبدیلی کا عنصر شامل ہے

بندۂ مومن امیں' حق مالک است　　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

یہ تمام چیزیں فَانٍ اور ھَالِكٌ ہیں۔ اردو میں ان کے معنی ''معدوم ہو جانا'' ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں یہ معدوم ہو جانے کے معنی میں نہیں بلکہ تغیر کے معنی میں آتا ہے یعنی جس چیز کے اندر ہر آن تغیر آتا رہے۔ قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (55:26-27) ❶۔ یہ معنی نہیں کہ یہاں ہر شے ایک دن فنا ہو جائے گی۔ فَانٍ تو اسمِ فاعل ہے جس کے معنی ہیں ''ہر آن کچھ ہونے والا جو آج بھی ہو رہا ہو'' اس کو اسمِ فاعل کہتے ہیں۔ یہاں ''ہالک'' بھی وہی ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ ایک شے ہے جس کے اندر دوسری شے تواتر کے ساتھ متحرک ہے' اسے CHANGELESSNESS IN CHANGE (تغیر میں عدمِ تغیر) کہتے ہیں' اس شے کو HUMAN PERSONALITY (انسانی شخصیت) کہتے ہیں اور اسی شے کو روحِ خداوندی کہا گیا ہے۔ تمام اشیا تغیر پذیر ہیں۔ ان میں صرف ذات یا روحِ خداوندی ہے جو تغیر کے عمل سے ماورا ہے' اس کے سوا باقی ہر شے فَانٍ ہے' اس میں ہر آن تغیر آتا ہے' ہالک ہے' اس میں ہر آن ایک تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔

رایتِ حق از ملوک آمد نگوں

(اللہ کا جھنڈا ملوک (IMPERIALISM) نے نگوں کر دیا اور اپنے تخلیق کردہ نظام کا جھنڈا لہرا دیا)۔ تم بھی وہی

---

❶ یہ تمام نظم و نسق کسی ایسی کائنات سے متعلق نہیں جو ایک دفعہ بنا دی گئی ہو اور پھر اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو۔ کائنات کی ہر شے میں' ہر آن تغیر واقع ہوتا رہتا ہے' لیکن ان تغیرات کا' خدا کے قوانین پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ قوانین اُس خدا کے ہیں جو تغیرات سے ماورا ہے اور ہر قسم کی عظمت و تکریم کا مالک (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 1259)

کہتے ہو کہ ملوکیت (IMPERIALISM) نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن حکیم یہ کہتا ہے کہ حق کا پرچم وہ ہے جس سے ملوک نگوں ہو جاتا ہے۔

قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

(ملوک کی مداخلت سے بستیوں کی بستیاں تباہ ہوگئیں)۔ یہ ملکۂ سبا کا وہ قول ہے جو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر کہا تھا۔ یہ عجیب دور اندیشی کی بات ہے۔ اس کے درباریوں نے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں' اس کو آنے دو ہم لڑائی کریں گے' اس کا مقابلہ کریں گے۔ اس نے کہا تھا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ ملوکیت کیا بلا ہوتی ہے۔ ان کے ہاں ملوکیت نہیں تھی بلکہ جمہوریت تھی۔ ملوکیت کے متعلق کہا تھا کہ

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ ان الملوک سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

(بانگِ درا: سلطنت)

ملکۂ سبا نے کہا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً [1] (27:34) ملوکیت میں مملکت کے تمام اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کو یہ بادشاہ ذلیل کر کے رکھ دیتا ہے۔ جس بستی میں بطورِ فاتح داخل ہوں اسے وہ تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی کو فساد کہتے ہیں۔

قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

(ان کی مداخلت سے بستیوں کی بستیاں تباہ ہوئی جاتی ہیں) اس کے بعد کہا کہ

آب و نانِ ماست از یک مائدہ

(ہمارا آب و نان یعنی رزق ایک دستر خوان ہے)۔ ''آب و نان'' ایک ہی دستر خوان (مائدہ) پر سب کو ملنا چاہیے۔ تم کمیونزم چاہتے ہو کہ جس میں ہر شے سب کے لیے مشترک ہو۔

لفظ آدم نوعِ انسانی کے ایک خاندان ہونے کی ترجمانی کرتا ہے

یہ فرمانِ قرآنی ہے۔ کہتا ہے

آب و نانِ ماست از یک مائدہ دودۂ آدم ''کنفسٍ واحدۃ''

(ہمارا رزق ایک دستر خوان ہے' آدم کا خاندان ایک نفسِ واحدہ ہے) یعنی آدم کا جو خاندان ہے' وہ نفسِ واحدہ ہے۔ قرآن کریم نے کہا کہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (4:1) تمہاری تخلیق اور تمہاری نسل' نفسِ واحد کی طرح ہے۔ کہتا

---

[1] یہ پوری آیت یوں ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (27:34) جب بادشاہ دوسرے ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اُسے تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں' اور معاشرہ کا تختہ اس طرح الٹ دیتے ہیں کہ وہاں کے صاحبِ عزت اکابرین کو سب سے زیادہ ذلیل و خوار بنا دیتے ہیں (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔867)۔

ہے کہ کمیونزم' اس سے بڑی UNIVERSALISM (عالمگیریت) اور کیا بنے گی۔تم جو کچھ کہتے ہو یہ تم نے فکری طور پہ پیش کیا ہے۔اس معیار پر یعنی محض خالص فکری طور پر قرآن حکیم کو لے لوتب بھی تم دیکھو گے کہ تمہارے اور اس کے نکتۂ نظر میں کتنی مماثلت ہے۔

قرآنِ حکیم کے دورِاولیٰ میں مذہبی پیشوائیت اور ملوکیت کا خاتمہ ہو گیا تھا

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست

(قرآن کا نقش جب اس جہان پر ثبت ہوا)۔اب تم HISTORICAL EVIDENCE (تاریخی شہادت) چاہتے ہو تو کمیونزم کی فلاسفی یا اس کی تاریخ دیکھو۔کہتا ہے کہ قرآنی محکمات اور کمیونزم کے کسی محکمات کے درمیان ضابطۂ اخلاق (ETHICS) کا کوئی اختلاف نہیں۔اب تم کہتے ہو کہ تاریخ سے اسے EVIDENCE (شہادت یا گواہی) ملنی چاہیے۔سنو!

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست نقشہائے کاہن و پاپا شکست

(جب اس جہان پر قرآن کا نقش ثبت ہوا تو کاہنوں اور پاپاؤں کے نقوش مٹ گئے)۔پھر نہ مذہبی پیشوائیت رہی' نہ ملوکیت رہی۔بتاؤ یہ حقیقت ہے یا نہیں۔پوچھتا ہے کہ تاریخی شہادت مل رہی ہے یا نہیں یا یہ دونوں چیزیں ختم ہوگئی ہیں۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم انسان کے اندر ایک ایسی نفسیاتی تبدیلی پیدا کرتی ہے جو اور کہیں مل ہی نہیں سکتی

اب یہ جذبۂ محرکہ (IMPETUS) کی بات لیتا ہے اور بڑی گہری حقیقت بیان کرتا ہے۔میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میں وہ کون سی چیز ہے جو انسان کے اندر ایک تبدیلی پیدا کر دے جس کی بدولت وہ سب کچھ از خود کرنا شروع کر دے' یہ تقاضے اس کے دل کی آواز بن جائیں' یہ جذبات اندر سے برآمد ہوں۔وہ کہتا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے۔یہ وہی نکتہ ہے جس کو میں اتنا ELABORATE (واضح و مفصل) کرتا چلا جارہا ہوں کہ داخلی تبدیلی کے لیے تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ فکری طور پہ تم نے دیکھ لیا اور میں نے تمہیں بتا دیا کہ قرآن حکیم تمہاری ایک ایک شق کی تائید کرتا ہے' تاریخ اس کی (EVIDENCE PROVIDE) شہادت مہیا کرتی ہے' اب میں آگے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فکری طور پر تمہارے پاس کیا منفرد چیز ہے جو انسان کے قلب کے اندر ایک تبدیلی پیدا کرتی ہے کہ یہ تقاضا اس کے دل کی آواز بن جائے۔کہا ہے کہ

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!

(جو میرے دل میں چھپا ہوا ہے' میں اسے صاف صاف ظاہر کر رہا ہوں کہ یہ قرآن ایک کتاب نہیں بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے)۔ایں کتابے نیست' اگرچہ کتاب کہنے سے' کوئی فکری چیز ہی سامنے آتی ہے مگر یہ ''چیزے دیگر است'' کوئی اور ہی چیز

ہے۔اب آیا جی وہ نکتہ جہاں کہتا ہے کہ وہ تیرے پاس نہیں ہے۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　　جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

(جب یہ جان میں سرایت کر جاتا ہے تو جان اور ہوجاتی ہے اور جب جان اور ہوجاتی ہے تو جہان اور ہوجاتا ہے)۔ یہ ہے وہ بنیادِ محکم۔ خارجی دنیا کے اندر تم جتنے بھی انقلاب پیدا کردو' خواہ وہ فکری طور پر ہی کیوں نہ ہوں وہ مختصر عرصہ کے لیے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ وہ قلبِ انسانی کا تقاضا بن جائے' اس کے دل میں سما جائے' وہ INCENTIVE FOR WORK (محرک برائے کام) ہو تو یہ محرک اس کے سوا کیا ہے کہ جو کچھ کماؤ وہ دوسروں کو دے دو۔ کس فکری دلیل سے تم یہ جذبہ ثابت کر سکتے ہو۔ سرمایہ دار فکری طور پر اس لیے تو ان سے جیت جاتا ہے' یہ کام جذبۂ محرکہ کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔فکری طور پہ اس کے علاوہ کچھ مل ہی نہیں سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　　جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ خصوصیت اور یہ فکر باہر کی چیز ہے۔

مثلِ حق پنہان و ہم پیداست ایں

(خدا کی طرح یہ ظاہر بھی ہے اور پنہاں بھی) ۔ باہر کی دنیا میں بھی یہ ایک حقیقت ہے جس کا ہر آن (APPEARANCE) ظہور ہوتا رہتا ہے۔حقیقت کا تعلق انسان کی جان سے ہے جبکہ ظہور کا تعلق خارجی ماحول سے ہے ۔اس کتاب کی بھی یہی کیفیت ہے کہ یہ فقط باہر ہی تبدیلیاں پیدا نہیں کرتی بلکہ انسان کے اندر بھی ایک تبدیلی پیدا کرتی ہے۔

زندہ و پایندہ و گویاست ایں

(یہ زندہ' ہمیشہ رہنے اور بولنے والی ہے۔ یہ زندہ و پائندہ ان معنوں میں ہے کہ نہ اس کے متن میں تبدیلی ہوگی اور نہ یہ قیامت تک مٹ سکے گا۔اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے)۔

زبان کے اعتبار سے قرآنِ حکیم کی اہمیت اور انفرادیت

اب سنیے! زبان کے اعتبار سے بھی صاحب! کسی دور میں بھی مذہبی کتاب کی زُبان آج تک زندہ نہیں رہی ہے۔علمی زبان جو جدید ترین ہے' وہ یہی عربی زبان ہے۔ ہمارے ہاں قرآن حکیم سے پہلے کی علمی زبان مردہ ہوگئی تھی' جو مجوسیوں کی تھی' ان کی مذہبی کتاب پہلوی زبان میں تھی آج وہ موجود نہیں ہے۔ وہ پہلوی زبان آج موجود نہیں بلکہ وہ تمام زبانیں جن میں آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے آج مردہ ہوچکی ہیں۔حضرت موسیٰؑ کے زمانے کی عبرانی زبان آج موجود نہیں۔ موجودہ عبرانی زبان تو بابل کی تباہی کے بعد از سرِ نو مرتب کی گئی تھی۔اسی لیے تو وہ روتے ہیں کہ سب کچھ تباہ ہوگیا تورات کی زبان بن تو گئی مگر اس سے یہ دین نئے سرے سے نہیں بن سکتا کیونکہ اس زمانے کی اصل عبرانی نہیں ہے۔ان کتابوں کی ساری زبانیں معدوم ہوچکی ہیں۔ وہ کتابیں بھی اصل نہیں رہیں' اور اگر ہوتیں بھی تو ان کی زبان ختم ہوچکی ہے۔قرآن حکیم کی

انفرادیت ہے کہ اس کی عربی زبان اسی طرح سے زندہ و پائندہ ہے۔

مشرق ہو یا مغرب نوعِ انسانی کی تقدیر قرآنِ حکیم کی تعلیم سے ہی وابستہ ہے

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق   سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق

(اس کے اندر مشرق و مغرب کی تقدیریں ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لیے بجلی کی سی تیز فکر پیدا کر)۔ تیزی سے اس پہلو پر سوچ جو میں کہہ رہا ہوں کہ شرق اور غرب دونوں کے مستقبل کی تقدیر اس سے وابستہ ہے۔ کہتا ہے کہ آ ؤ! تمہیں بتاؤں کہ اس نے کیا پیغام دیا تھا

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ

(قرآنِ کریم نے مسلمانوں سے کہا کہ جان ہتھیلی پہ رکھ لو یعنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرو)۔ سرفروشانہ میدان میں آ ؤ۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط [1] (9:111) قرآن کا فرمان ہے۔ اس خرید میں انفس اور مال جنت کے معاوضے میں دونوں شامل ہیں۔ کہتا ہے کہ سنو! اس نے مسلمان سے کیا کہا تھا؟ یہ کہ جان ہتھیلی پہ رکھ اور

ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

(جو کچھ تم اپنی ضروریات سے زیادہ رکھتے ہو وہ دوسروں کو (حاجت مندوں کو) دے دو)۔ اس سے ہر حاجت مند کی ضرورت پوری کرو۔

قرآنِ حکیم کی منزہ اور شہود تعلیم کے باوجود آج کا مروجہ اسلام تمام مذاہب عالم کی طرح ملوکیت ہی کا پیدا کردہ ہے

قرآن حکیم کہتا ہے کہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ط [2] (2:219) ایک ہی پیغام ہے: ''جاں بر کف بنہ' ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ''، یعنی جان ہتھیلی پہ رکھ اور جو کچھ تم اپنی ضروریات سے زیادہ رکھتے ہو اسے حاجت مندوں کو دے دو۔ اب مسلمان سے یہ کہتا ہے کہ

آفریدی شرع و آئینے دگر

(اے ملّت روس! تُو نے ایک نئی شرع اور نیا آئین پیدا کیا ہے یعنی کمیونزم کے طور طریقے اور اس کے قوانین وضوابط

---

[1] جماعتِ مومنین کا نظامِ خداوندی کے ساتھ ایک عظیم معاہدہ ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے' نظامِ خداوندی' ان کا جان اور مال خرید لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں انہیں جنت کی زندگی کی ضمانت دے دیتا ہے (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 449)۔

[2] یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو کہ اس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے اپنے لیے رکھ لو اور جس قدر ان سے زائد ہو' سب کا سب نوع انسان کی پرورش کے لیے کھلا رکھو۔ (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 83)

کو اپنے ملک میں رائج کیا ہے)۔ تمہارا تمام مذہب دورِ ملوکیت کی پیداوار ہے' تمہاری شرع اور تمہارا آئین بدل چکے ہیں۔

اندکے با نورِ قرآنش نگر

(ذرا انہیں قرآنِ مجید کی روشنی میں دیکھ یعنی کمیونزم کے نظریہ کو قرآن کی روشنی میں دیکھ کر اس کے حسن کو قائم رکھ تاکہ یہ نظام قرآنِ کریم کا نظام بن جائے)۔ کمیونزم کے اس نظام کی ازسرِ نو جانچ پڑتال کر' تاکہ یہ قرآن کا نظام بن جائے۔ اس طرح تو

از بم و زیرِ حیات آگہ شوی

(زندگی کے زیر و بم' اونچ نیچ پر نظر ڈال) تُو DESTINY OF LIFE (تقدیرِ حیات) سے آگاہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اقبالؒ بے حد رنجیدہ ہے مگر مایوس نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہ کہ تُو زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو جائے گا۔

ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوی

(اور زندگی کی تقدیر سے بھی آگاہ ہو)۔ اس پر عمل پیرائی کرنے سے تجھے تقدیرِ زیست سے آگاہی نصیب ہو جائے گی۔

علامہ اقبالؒ کی چشمِ نم ملتِ اسلامیہ کی اس پژمردگی سے آج بھی مایوس نہیں

آخری بند میں اقبالؒ میرے خیال میں انتہائی ماتم کناں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن حمید موجود ہے' زندہ و پایندہ ہے' اتنی بڑی ملت بھی موجود ہے' ان سب کے باوجود

محفلِ ما بے مے و بے ساقی است

(ہماری محفل ساقی اور شراب کے بغیر ہے)۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہماری کیفیت ایسی ہے کہ محفل تو موجود ہے مگر نہ ساقی' نہ مے' نہ قرآن' نہ قرآن کا دینے والا امام ہے۔ فرد کے بغیر تو کام نہیں چل سکتا جی! شخصیت کا ہونا بڑا ضروری ہے اس لیے تو وہ کہتا ہے کہ

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اب یہاں نہ مے ہے' نہ ساقی ہے۔ کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں

سازِ قرآں را نوا ہا باقی است

(قرآنی ساز کے نغمے باقی ہیں' قرآن اور اس کی راہنمائی تو موجود ہے) اس لیے مایوس ہونے کی بات نہیں ہے۔ اس ساز کے تاروں میں وہی نغمے پوشیدہ ہیں۔ حجاب ایسی تشبیہ دینا کتنی بڑی شاعری ہے! ساز کے تاروں میں نغموں کا پوشیدہ ہونا' اگر نغمہ گر نہیں ہے تو یہ بے کار ہے۔ ہزار برس سے یہ ساز پڑا ہوا ہے۔ ساز کی طرف سے مایوسی نہیں ہونی چاہیے کہ ساز ختم ہو گیا۔ یہ بڑی عمدہ تشبیہ ہے جی! نغمے کی پایندگی کی یہ تشبیہ اور پھر اس ساز کے بے مصرف ہونے کی حقیقت ساتھ

ہے کہ یہ بے مصرف ہے۔ یعنی یہ بے کار نہیں ہو گیا لیکن یہ اس لیے بے کار ہے کہ یہ بے مصرف ہے۔

(اگلے تین اشعار کی تشریح کی ریکارڈنگ صحیح نہیں ہو سکی ہے غالباً بجلی چلی گئی تھی۔ ان کا مفہوم دیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کے ذہن وفکر کا تسلسل قائم رہ سکے)۔

زخمۂ ما بے اثر افتد اگر — آسماں دارد ہزار ہزار زخمہ در

اگر ہماری مضراب بے اثر ہو چکی اور وہ قرآنِ کریم کے ساز سے نغمہ نکالنے کے قابل نہیں رہی ہے تو آسمان کے پاس اور ہزاروں مضراب لگانے والے موجود ہیں۔ اگر ہم مسلمان قرآنِ مجید سے استفادہ کرنے کے بعد دوسروں کو اس کے فوائد سے فیض یاب نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا قانون کسی اور قوم کو پیدا کر دے گا جو ہماری جگہ یہ فریضہ ادا کرے گی۔ ہزاروں ''زخمہ در'' آئیں گے' مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ذکرِ حق از امتاں آمد غنی — از زمان و از مکاں آمد غنی!

اللہ تعالیٰ کا ذکر قوموں سے بے نیاز (غنی) ہے۔ وہ زمان ومکاں (TIME & SPACE) سے بھی بے نیاز (غنی) ہے۔ قرآن مجید اپنی تعلیمات کے نفاذ کے لیے کسی قوم' کسی جگہ یا کسی زمانے کا محتاج نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ آگے کہا ہے کہ

ذکرِ حق از ذکرِ ہر ذاکر جداست — احتیاجِ روم و شام اورا کجاست

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر ذکر کرنے والے سے جدا ہے۔ اسے روم وشام کی احتیاج نہیں ہے یعنی قرآنِ کریم اپنی اشاعت تعلیمات ومفاہیم کے لیے کسی قوم کا محتاج نہیں ہے' اسے روم وشام کی کچھ احتیاج نہیں ہے۔

(اب یہاں سے ریکارڈنگ آتی ہے)۔ کہتا ہے کہ

حق اگر از پیشِ ما بردارد ش — پیشِ قومے دیگرے بگذاردش

(اللہ تعالیٰ اگر قرآنِ کریم کو ہمارے سامنے سے اٹھا لے گا تو وہ اسے کسی دوسری قوم کے سامنے رکھ دے گا)۔ ''بردارد' کے معنی ''اٹھا لینا'' ہے۔ یہاں تک تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ کوئی پرواہ نہیں۔

یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند

حق اگر اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا لیتا ہے' تو اسے کسی دوسری قوم کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ یعنی ہم مسلمان اگر قرآن مجید سے غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں تو اللہ ہماری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔

از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن — ہر زماں جانم بلرزد در بدن!

(مسلمانوں میں تو میں نے تقلید اور ظن کو دیکھا ہے۔ اس کو دیکھ کر ہر لمحہ میری جان بدن میں کانپ رہی ہے)۔ یہ کس

بات سے ''جانم بلرزد'' ہے؟ یہ ہے جی اپنی ملت میں تقلید وظن۔

ترسم از روزے کہ محرومش کنند — آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند!

(میں اُس دن سے ڈرتا ہوں کہ جس دن مسلمانوں کو اللہ کا قانون قرآنِ کریم سے محروم کردے اور اللہ کا قانون' وحی کا یہ پیغام' کسی اور کے حوالے کردے)۔ملت کی محبت پھر بھی ہے۔ یہ ہے اقبالؒ کی خصوصیت' ملّت سے محبت اپنی جگہ قائم ہے۔

تُونہیں تو اور سہی

اقبالؒ قطعاً مایوس نہیں ہے مگر خدا کے ہاں ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے اسے پرواہ ہی نہیں ''ہو یا کی' تاں کی ہو گیا' اے نہ سہی ہور سہی' ہور نہیں تے او سہی'' (پھر کیا ہوا' یہ نہ سہی تو اور سہی اور نہیں تو وہی سہی)۔

اور لے آئیں گے بازار سے گر ٹوٹ گیا — جامِ جم سے مرا' جامِ سفال اچھا ہے

اقبالؒ نے اپنے افکار میں ملت سے کبھی کنارہ کشی کا سبق نہیں دیا

شروع میں کہا تھا کہ ہمارے نزدیک تو جو ہمارا قطرۂ شبنم ہے' وہ یم (سمندر) ہے' یہ ملت سے محبت ہے۔ یہ کہنے کے باوجود کہ کوئی پرواہ نہیں' اگر قرآن مجید کے نغمے باہر نہیں آرہے تو کوئی بات نہیں' ہمارے زخمہ پر اگر ہاتھ ٹھیک نہیں پڑا' تو آسماں دارد ہزاراں زخمہ در'' آسماں کے پاس اور ہزاروں مضراب لگانے والے موجود ہیں۔ یہاں تک کچھ ایسا منظر بن رہا ہے کہ اے محبوب ﷺ! یہ قوم بڑی ڈھیٹ ہے۔ یہ قوم تو ختم ہوگئی' سب کچھ لٹ گیا۔ یہ سید ابوا الاعلیٰ مودودیؒ (1903-1979ء) نہیں ہے جو یہ کہتا ہے۔مودودیؒ کا لکھا موجود ہے۔وہ اپنے ہاں لکھ چکا ہے کہ اگر پاکستانی قوم اسی طرح سے رہتی ہے تو اس کا جدا گانہ قوم رہنا یا ہندوؤں کے اندر جا کر مل جانا میرے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اقبالؒ (1877-1938ء)' (سید ابوالاعلیٰ) مودودیؒ (1903-1979ء) کی مانند نہیں ہے' وہ تو اس حالت پہ آہ وفغاں کرتا ہے۔

اگر گلستانِ ملت پر کہیں خزاں آ گئی ہے تو اس سے اپنا رشتہ مت توڑ:

کہتا ہے کہ

ترسم از روزے کہ محرومش کنند — آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند!

(میں اس دن سے ڈرتا ہوں کہ جس دن مسلمان کو اللہ کا قانون قرآنِ کریم سے محروم کردے اور اللہ کا قانون' وحی کا یہ پیغام' کسی اور کے حوالے کردے)۔ مسلمان کو قرآن حکیم پہ توجہ دینی چاہیے تا کہ وہ سحابِ کرم سے محروم نہ رہے۔حالانکہ اقبالؒ پہلے کہتا ہے کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا' وہ قرآن حکیم کی آواز ہے' وہ ذکرِ حق ہے ''ذکرِ حق از ذکرِ ہر ذاکر جداست''۔یعنی اللہ کا ذکر' ہر ذکر کرنے والے سے جدا ہے۔ یہاں تک اس کا یہ نظریہ ہے جبکہ دوسری جانب ملت کی محبت دل

کے اندر ہے۔ ''زبورِعجم'' میں اس کے وہ بڑے عمدہ شعر ہیں کہ ایک پُرانا بلند و بالا درخت ہے جو اک عرصے سے کھڑا ہے اس کے متعلق یہ ہے کہ بلند ہے برگ و برندہد [1] پتے نہیں نکالتا' پھل نہیں دیتا' بس ایک عرصے سے کھڑا ہے۔ اور اب یہ ہے کہ ''چو برگش ریخت از وے آشیاں برداشتن ننگ است''۔ کہتا ہے کہ

کہن شاخے کہ زیرِ سایہ او پر بر آوردی　　　چو برگش ریخت از وے آشیاں برداشتن ننگ است

(وہ پرانی شاخ جس کے سائے میں تُو نے پر نکالے ہیں' جب اس کے پت جھڑ گئے تو اس سے اپنا گھونسلا اٹھا لینا باعثِ شرم ہے)۔ بہار کے زمانے میں جس درخت کے اوپر رہا ہے' خزاں کے زمانے میں وہاں سے آشیاں اٹھا لینا بڑی شرم کی بات ہے۔ وہ ''خزاں دیدہ'' درخت کو بھی ساتھ رکھتا ہے۔ یہ ہے ملت سے محبت کی بات' یہ تھی اقبالؒ کی خصوصیت۔ یہ آخری بات کہی ہے۔

پیر رومی بہ زندہ رودی گوید کہ شعرے بیار

اب یہاں سے اگلا عنوان ''پیر رومی بہ زندہ رودی گوید کہ شعرے بیار'' شروع ہے یعنی ''پیرِ رومی زندہ رود (اقبالؒ) سے کہتا ہے کہ یار! کوئی شعر سنا''۔

پیرِ رومی آں سراپا جذب و درد　　　ایں سخن دانم کہ با جانش چہ کرد

(پیرِ رومی وہ ہے جو سرتاپا جذب اور درد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ افغانی کی اس بات نے جس کی تفصیل اوپر آئی ہے' اس کی جان پہ کیا اثر ڈالا)۔ واہ واہ واہ!

ملت کی ناگفتہ حالت کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ افغانی کو متوجہ کروا رہا ہے

از دروں آ ہے جگر دوزے کشید　　　اشکِ او رنگیں تر از خونِ شہید

آنکہ تیرش جز دلِ مرداں نہ سُفت　　　سوئے افغانی نگاہے کرد و گفت

'دل بخوں مثلِ شفق باید زدن

(اس نے اپنے اندر سے جگر کو چیر دینے والی ایک آہ نکالی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے جو شہید کے خون سے زیادہ رنگین تھے۔ وہ رومیؒ جس کی نگاہ کے تیر نے مَردوں کے دلوں کے سوا کسی کو نہیں چھیدا' اس نے (جمال الدین) افغانی کی طرف نگاہ کی اور کہا کہ دل کو شفق کی مانند خون میں رنگین کرنا چاہیے) یعنی اب کرنے کا کام یہ ہے کہ ان دلوں کو شفق کی طرح خون کے اندر ڈبو دے۔ اور بات اگلی ہے جی! وہ افغانی کی طرف نگاہ کر کے کہہ رہا ہے کہ

دست در فتراکِ حق باید زدن

---

[1] اگرچہ نخلِ بلند است برگ و برندہد! (زبورِعجم' ص۔180)۔　　　(ایک بلند درخت ہے جو پتے نہیں نکالتا اور پھل نہیں دیتا)۔

(اور اپنا ہاتھ اللہ کی فتراک میں دے دینا چاہیے)۔ وہ یہاں وہاں سے کچھ نہیں لیتا' شکار اس نے اپنی فتراک [1] میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتنی لطیف چیز ہے کہ رومیؒ خود نہیں بلکہ افغانی سے کہہ رہا ہے۔ یہاں اقبالؒ کی فکر اور اس کے فن کا کمال ہے کہ یہ صوفی کے بس کی بات نہیں لہٰذا وہ اقبالؒ ' جمال الدین افغانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ تیرے بس کی بات ہے۔ ہاتھ بڑھا اپنا ہاتھ ''در فتراکِ حق'' دے دینا چاہیے۔ آگے کہا کہ

جاں ز امید است چوں جوئے رواں

(آدمی کی جان امید کی بدولت بہتی ہوئی ندی کی مانند بنتی ہے) اوپر والے اس شعر [2] میں اقبالؒ نے کچھ مایوسی سی طاری کردی تھی۔ اب دیکھیے! وہ کس طرح سے اس کو دور کررہا ہے؟

جاں ز امید است چوں جوئے رواں ترکِ امید است مرگِ جاوداں'

(آدمی کی جان امید سے ہی بہتی ہوئی ندی کی مانند بنتی ہے۔ امید کا ترک کردینا اس کی ہمیشہ کی موت ہے۔ امید ہی انسان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے)۔ یہ افغانی سے کہا۔ دیکھیے! یہ کتنا (DRAMATIC) ڈرامائی انداز ہے!

باز در من دید و گفت ''اے زندہ رود باد و بیتے آتش افگن در وجود

(ان باتوں کے بعد رومیؒ نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے زندہ رود (اقبالؒ)! ایک دو اشعار سے وجود کے اندر آگ لگا) یعنی کہا کہ او یار! کوئی شعر سنا۔ اس عالم میں دیکھا کہ جذبات کہاں پہنچے ہوئے ہیں! اس پیکرِ عمل پر مایوسی کے طاری ہونے سے۔ اِدھر اُدھر افغانی پھر رہا ہے' افغانی ساری عمر پھرتا رہا' اس سے یہ مخاطب ہے کہ صحرا نوردیوں کے ساتھ ذرا ہاتھ اور آگے بڑھا' ''فتراکِ حق'' میں ہاتھ ڈال' شاید وہاں کوئی حق والے ہوں' ہاتھ ڈال کر ایک دو نکال لا۔ پھر فرمائش کرتا ہے کہ چھوڑ کوئی شعر سنا۔ یہ بڑا خوبصورت انداز ہے۔

ناقۂ ما خستہ و محمل گراں

(ہماری اونٹنی کمزور اور اس کا محمل بوجھل ہے)۔ امیرِ کارواں کا بھی ایک طریق ہوتا ہے۔ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے ہماری اونٹنی تھک گئی ہے۔

تلخ تر باید نوائے سارباں

(اس لیے سارباں کا نغمہ زیادہ تلخ ہوجانا چاہیے)۔

نوا را تلخ تر می کن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی حُدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں یابی

(تو اگر اپنے اندر ذوقِ نغمہ کو کم ہوتا ہوا پائے تو اپنے نغمہ کی لے کو اور تند و تلخ کردے کیونکہ ریگستان کے لمبے سفر پر جب

---

[1] فتراک: وہ چکر سا ہوتا ہے جو شکاری کے گھوڑے کے ساتھ لٹک رہا ہوتا ہے اور جس میں شکاری اپنا شکار باندھتا ہے

[2] یہ اس شعر کی طرف اشارہ ہے: زخمۂ ما بے اثر افتاد اگر آسما دارد ہزاراں زخمہ در

اونٹ اپنے کجاوے کو بھاری محسوس کرنے لگتے ہیں تو ساربان اپنے گیت کی لے کو اور اونچا کر دیتے ہیں)۔

کیا بات ہے صاحب! یہ بھی بہت عجیب کہہ جاتا ہے۔

امتحانِ پاک مرداں از بلاست

(اللہ تعالیٰ کے پاک مردوں کا امتحان مصائب میں ہے) اس لیے کیوں گھبرا رہا ہے' یہی چیزیں ہیں جس سے آ کر ٹکرانا چاہیے۔

تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست　　　　در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل

(اس لیے پیاسوں کو اور پیاسا بنانا روا ہے۔ دریائے نیل سے مثلِ کلیم گزر جا)۔''ٹھنڈیاں ٹھنڈیاں کرن ڈیاں ہیگاں' اگاں چل ایہدوں'' (ٹھنڈ ٹھنڈ کر رہے ہو۔ اس سے آگے چلو)۔

سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل!　　　　نغمہ مردے کہ دارد بوئے دوست

(مثلِ خلیل آگ کی طرف قدم بڑھا۔ مثلِ کلیم اور مثلِ خلیل کی تلمیح سے مراد یہ ہے کہ مردِ حق تو مصائب سے دوچار رہتا ہے لیکن ان پر قابو پاتا ہے)۔ یہ ہے رومیؒ کا:

خشک چوگ وخشک تار وخشک پوست　　　　از کجا می آید ایں آوازِ دوست

''خشک چوگ وخشک تار وخشک پوست ❶'' یہ تینوں ہی چیزیں سوکھی ہوئی سی ہیں لیکن ان کے اندر سے ''از کجا می آید ایں آوازِ دوست ❷'' اور یہ آواز بھی کہاں دوست کی ہے' یہ ساری ہی چیزیں خشک ہیں۔ کہتا ہے کہ

نغمہ مردے کہ دارد بوئے دوست　　　　ملّتے را می برد تا کوئے دوست!''

(اللہ کے اُس بندے کا نغمہ' جس میں دوست کی خوشبو ہو' ملّت کو دوست کی گلی میں لے جاتا ہے)۔ آہاہاہا! ''سنا ایہو جیا شعر کوئی' لیکن ایہدا دل سڑیا ہویا سی' ایہنے سنایا جیہڑا ہیگا او پہلے نالوں زیادہ سڑی ہوئی سٹی ہے'' (اس جیسا کوئی شعر سناؤ لیکن اس کا دل جلا ہوا تھا' اس نے جو سنایا وہ پہلے سے بھی زیادہ دل خراش و دل سوز تھا) ورنہ ایسے مقام پہ رومی یہ چاہتا تھا کہ وہ یہ لائے۔

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

''کہندا اے' نئیں بھائی صاحب! گل اے بندی اے ہور سڑیاں'' (کہتا ہے کہ نہیں بھائی صاحب! یہ بات اور ہی دل سوزی سے بنتی ہے)۔ یہ غزل زبورِ عجم کی ہے۔

---

❶ لکڑی' تار اور کھال' یہ سب تو خشک ہیں۔　　❷ پھر دوست کی آواز کہاں! یہ آوازِ دوست نہیں ہے' وہ تو خشک ہو چکی۔

غزل زندہ رود

اب اگلا عنوان ''غزل زندہ رود'' ہے۔ کہتا ہے کہ

این گل و لالہ تو گوئی کہ مقیم اندہمہ

(یہ لالہ اور گلاب کے پھول جن کے متعلق تُو کہتا ہے کہ یہ سب مقیم ہیں' ثابت و ساکن ہیں)۔ بہت اچھا شعر ہے کہ یہ محفلِ رنگ و بو' یہ طبعی چیزیں' یہ عالمِ رنگ و بو' ان کے حسن و جمال میں اپنے آپ کو جذب کر کے بیٹھا ہے' تُو سمجھتا ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ سنو! یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں۔ مقیم کے معنی ہیں ''ہمیشہ قائم رہنے والی''۔ آگے کہا ہے کہ

راہ پیما صفتِ موجِ نسیم اندہمہ

(یہ موجِ نسیم کی طرح راستہ چلنے والے ہیں۔ یہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و اقتدار ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ یہ تو آنی جانی چیز ہے)۔ یہ بڑا خوبصورت شعر ہے۔ ''گل و لالہ'' کے اعتبار سے ''راہ پیما صفتِ موجِ نسیم اندہمہ''۔ یہ تو مانندِ نسیم چلنے پھرنے والی چیزیں ہیں۔ اب آگے ہے کہ

معنیٔ تازہ کہ جوئیم و نیا بیم کجاست　　　مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اندہمہ

(وہ نئے معنی جو ہم ڈھونڈ رہے ہیں اور ہم نہیں پا رہے' وہ کہاں ہیں؟ مسجد' مدرسہ' میخانہ' سب بانجھ ہیں۔ ان سے کچھ حاصل نہیں ہوا اور جس چیز کی مجھے تلاش ہے وہ یہ نہیں دے سکتے)۔ ان میں وہ چیز جس کی ہمیں تلاش ہے' باقی ہی نہیں رہی' ان تینوں یعنی مسجد و مکتب و میخانہ کو ختم کر دیا۔ اب یہ چیز نہ ظواہرِ شریعت میں ہے' نہ ان کے علم کے اندر ہے۔ اب آگے صوفی ہے:

حرفے از خویشتن آموز و دراں حرف بسوز

(اپنے آپ سے ایک حرف سیکھ اور اس حرف پر چل) یعنی اب بات کرنے کی یہی ہے کہ اپنے آپ سے ہی تُو کوئی حرف سیکھ۔ اس کے مفہوم میں اپنے آپ کو جلا' اس حرف میں اپنے آپ کو ڈالو۔

کہ دریں خانقہ بے سوزِ کلیم اندہمہ

(کیونکہ اس خانقاہ میں سب سوزِ کلیم کے بغیر ہیں۔ ان کے پاس وحیِ خداوندی کی تعلیم نہیں ہے)۔

از صفا کوشیٔ ایں تکیہ نشیناں کم گوے　　　موئے ژولیدہ و ما شستہ گلیم اندہمہ

(یہ درویش' جو تکیوں میں بیٹھے ہیں' ان کے باطن کی صفائی کے عمل کی بات نہ کر۔ ان کے بال الجھے ہوئے ہیں اور گودڑی ناصاف ہے)۔ یہ بال ویسے ہی ہیں جیسے مجذوبوں کے ہوتے ہیں یعنی بے سُدھ بیٹھے ہیں' بو آ رہی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ گویا انہیں کوئی رمز و اسرار سے آگہی ہو رہی ہے۔ یہ ہے:

از صفا کوشیٔ ایں تکیہ نشیناں کم گوے　　　موئے ژولیدہ و ما شستہ گلیم اندہمہ

حرم کے اندر حرم کی تعمیر

اب آیا مُلّا کی طرف اور کہا کہ

چہ حرمہا کہ درونِ حرمے ساختہ اند

(انہوں نے حرم کے اندر کتنے حرم بنا رکھے ہیں)۔ ایک تو وہ حرمِ خداوندی ہے۔ اس حرم کے اندر انہوں نے کیا کیا حرم بنا رکھے ہیں۔: چہ حرمہا کہ درونِ حرمے ساختہ اند اور

اہلِ توحید یک اندیش و دو نیم اند ہمہ

(اہلِ توحید کی فکر واحد ہے لیکن عملاً وہ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ خانقاہ والوں کی بات کرنے کے بعد اب ''زندہ روڈ'' (اقبالؒ) مدرسے والوں کی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے علما کا حال یہ ہے کہ انہوں نے موحد ہونے کے باوجود دین کے حصے بخرے کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے)۔ کیا بات ہے! ''یک اندیش و دو نیم اند ہمہ'' دعویٰ یک اندیشی کا ہے اور عملاً دو نیم ہیں۔ یہ بڑا عمدہ مصرع ہے۔

چہ حرمہا کہ درونِ حرمے ساختہ اند اہلِ توحید یک اندیش و دو نیم اند ہمہ

لفظ نُقل اور ندیم کا ایک پُرمعنی مفہوم اور اس کا استعمال

اور آخر میں کہا کہ

مشکل ایں نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت

(مشکل یہ نہیں کہ محفل ہنگامہ آرائی کا خیال چھوڑ چکی ہے)۔ وقتی طور پر اگر ان کے اندر جذب' کیف اور سرور والی کیفیات نہیں رہیں یا ان کے اندر وہ ہنگامہ نہیں رہا تو کوئی بات نہیں

مشکل این است کہ بے نُقل و ندیم اند ہمہ

(مگر مشکل یہ ہے کہ جملہ اہلِ محفل بغیر ''شیرینی'' اور ''دوستوں'' کے ہیں' انہیں مناسب رہنما نہیں مل رہا)۔ آ ہاہاہا! ''نُقل'' کہتے ہیں شراب کے ساتھ یہ جو SNACKS مثلاً کباب وغیرہ کھاتے ہیں بنیادی طور پہ نُقل اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہوئے کہ ان کے پاس یہ طبعی سامان نہیں ہیں۔ ''ندیم'' کے معنی ہیں ''ساتھ مل کر شراب پینے والا'' یہ نَدَمَ سے ہے۔ اصل میں تو بات یہ ہے ''ایناں دوہاں نوں کٹھی شرم آنی چاہیدی اے'' (ان دونوں کو اکٹھے ہی شرم آنی چاہیے) لیکن اب دیکھیں' ندیم کا لفظ بڑے خوبصورت معنی میں استعمال ہوتا ہے' اس کے معنی ''بڑے عمدہ دوست'' کے ہیں لیکن بنیادی چیز ہے ہم مشرب' اکٹھے پینے والے۔ اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ انہیں اکٹھے ہی شرم محسوس ہونی چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ''پینے کے بعد' خمار کے زمانے میں بھی اکٹھے ہوں' پھر یہ ندیم ہے''۔ کہتا ہے کہ مشکل یہ ہے کہ نہ تو یہاں ندیم ہے' نہ اس قسم کے ساتھی ہیں جو سارا راستہ اکٹھے چلیں' نہ ان کے پاس ساز و یراق ہے' نہ نُقل ہے نہ ندیم ہے' اس لیے اگر محفل میں

تھوڑے وقت کے لیے ہنگامہ پڑ بھی جاتا اور یہ چیزیں باقی رہتیں تو بات ہوسکتی تھی۔ ندیم کا نہ ملنا اقبالؒ کو مار گیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ جتنے بھی اس تجسس میں نکلتے ہیں ان کو آخر میں یہی چیز مار جاتی ہے کہ ان کو ندیم نہیں ملتا۔

ندیم کی عدم موجودگی کی شکل میں قیدِ تنہائی کا احساس یعنی اے بندۂ مومن تو کجائی تو کجائی!

لیکن یہ جو چیز ہے کہ

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک ہمہ گفتند باما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر چہ گفت و باکہ گفت و از کجا بود

(شراب تو ہے لیکن اس کو پھیلانے کے لیے (MEANS) ذرائع اور ایک ساتھی چاہیئے یہ نہیں ہے)۔ یہ ندیم کا نہ ملنا ہے۔ ''مشکل ایں است کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت'' مجھے یہ چیز مشکل نظر نہیں آتی کہ یہ جو بے سوز افسردہ سی محفل ہے' اس کا کیا ہے' اس کا تو کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ شراب بھی موجود ہے یعنی قرآن مجید موجود ہے' آگے اسکا انداز دیکھیے۔ کہتا ہے کہ اس کے لیے کچھ اور چاہیے اور وہ شے ہے ایک دوسرا ساتھی۔ دوسرے ساتھی کا فقدان مصیبت کا موجب ہے۔ یہ اس کا اصل مدعا ہے۔

کچھ تذکرہ فلک زہرہ کا

اور پھر وہ اس ''فلک عطارد'' سے آگے چلے گئے۔ اب وہ ''فلکِ زہرہ'' پر جاتے ہیں۔ وہاں ''اوئے اوئے'' بڑے زور کا آتا ہے' ''فلکِ زہرہ'' میں یعوق ونسر وفسر ہے' جو خدایانِ کہن میں بڑا خوبصورت ہے' ''مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم'' ہے ''نغمہ بعل'' ہے۔ ''فرورفتن بدریائے زہرو دیدن ارواح فرعون وکشنر را'' ہے' جس میں فرعون اور ذوالخرطوم جیسے عنوانات زیر بحث لایا ہے جس پر ہم آئندہ بات کریں گے۔ اس کی ترتیب HISTORICAL (تاریخی) بھی نہیں' مراتب کے لحاظ سے بھی نہیں بلکہ یہ مختلف افلاک میں گیا ہے۔ یہ جہاں جہاں' جس جس فلک میں گیا ہے' وہاں اس معیار کے لوگ اس نے منتخب کیے۔ اس نے ایسا مدارج کے اعتبار سے نہیں بلکہ مضامین کے اعتبار سے کیا ہے۔ اس کے سامنے جو ایک مرکزی نقطہ ہے' اس مرکزی نقطے کے اعتبار سے سب کو کسی ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔ یہ افلاک کے نام ہیں' اس میں کسی قسم کی تفریق یا درجہ بندی ان کے پیشِ نظر نہیں مثلاً جو بات زہرہ میں ہے وہ مریخ میں کیوں نہیں یا وہ خاکِ بطحا میں کیوں آئی۔ ایسی کسی بات کا اس میں شائبہ نہیں ہے' نہ ہی اس قسم کا کوئی ربط یا ترتیب اس میں موجود ہے۔ وہ چپکے سے کسی فلک میں وارد ہوا' بسا اوقات کسی کو اپنے ہمراہ لے آیا' البتہ جنت الفردوس میں داخلے کے وقت بلند مدارج لوگوں کا انتخاب کیا وگرنہ تمام افلاک قاعدے اور ترتیب سے مبرّا ہیں۔

آج ہم ''جاوید نامہ'' کے صفحہ 93 تک آ گئے۔ ''فلکِ زہرہ'' ہم آئندہ لیں گے اور پھر ''مجلس خدایانِ اقوامِ قدیم'' دیکھیں گے کہ یہ کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمائیے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بےنقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

اہم نوٹ: پی ٹی سی ایل کے لینڈ لائن نمبر صرف دفتری اوقات کے لیے ہیں۔ لینڈ لائن رابطہ نمبر خراب ہونے کی صورت میں یا چھٹی کے دن/وقت آپ سیل فون نمبر پر ٹیکسٹ/ وٹس ایپ میسیج کر سکتے ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ اپنا مدعا تفصیلی طور پر ایک ہی میسیج میں لکھ دیجئے۔ شکریہ

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبرز: +92 42 3571 4546, +92 310 4800 818
+92 318 4271 465, +92 331 4763 936

نفیسہ فریال چاہل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبالؒ کا شاہین ہو کہ پرویزؒ کا سلیم

اقبالؒ کا شاہین ہو کہ پرویزؒ کا سلیم ہیں پر زور کاوشیں کہ ہو قرآن کا علیم

اگر ہم اقبال کو پڑھتے ہیں تو ہم فلسفی اور اگر پرویز کو پڑھتے ہیں تو پرویزی۔۔۔ یہ ناانصافی کیوں؟

اوّل تو ہمیں ہماری سوچ سے مطابقت رکھنے والا ملتا نہیں ہے اور اگر مل جائے تو کیا کہنے۔ضروری یہ نہیں کہ ہمیں جاننے والا ہم پر تنقید کرتا ہے ۔ضروری یہ ہے کہ کوئی ہمیں پہچانے۔ جیسے سنار سونے کو، جوہری ہیرے کو، گوالا دودھ کو اور منصف مجرم کو۔سو اگر کوئی سمجھ بوجھ رکھنے والا اور ہماری سوچ سے آگاہی رکھنے والا ہم پر تنقید کرتا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔کم از کم یہ کہ کوئی ہمیں جانتا ہے۔جیسے ہمیں ایک بار یہ بھی سننے کو ملا جب ہماری سوچ کسی پر عیاں ہوئی تو کہا گیا کہ ''اچھا پرویزی ہو!'' یعنی الفاظ ہی ظاہر کروا گئے کہ پرویز کی سوچ ہے تو پرویزی ہوئے۔مگر یہ صرف ایک انسان کی طرف سے تھا جس نے ہمیں یہ کہا اس کے علاوہ ہمیں ایسے الفاظ کبھی بھی سننے کو نہیں ملے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی پرویز صاحب کو جانتا ہی نہ ہو۔اس کے برعکس آج تک کبھی یہ سننے کو نہیں ملا کہ ''اچھا اقبالی ہو!'' کیا کبھی یہ لفظ کسی کو بھی سننے کو ملا ہے؟نہیں ملا ہوگا کیونکہ یہ لفظ ناقدین کی طرف سے ایجاد ہی نہیں کیا گیا۔صد شکر کہ نہیں کیا گیا۔کسی کی سوچ کو تو بغیر کسی حیل وحجت کے قبول کیا گیا۔ٹھیک ہے چند ایک لوگ اقبال پر بھی تنقید کر جاتے ہیں مگر ان کے ماننے والے انہیں آفاقی حیثیت دیتے ہیں۔علامہ اقبال کا نام، ان کا کام ان کی کاوشیں بچے بچے کو از بر ہیں۔کیا مولانا، کیا مفتی، کیا استاد، کیا شاگرد۔۔۔غرض کسی بھی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا ہو آپ اقبال کا نام لیں جھٹ سے کوئی نہ کوئی شعر سامع کی زبان پر آئے نہ آئے ذہن میں ضرور آئے گا۔اسلام سے لاکھ اختلاف سہی مگر علامہ صاحب کا شعر پڑھنا صاحبِ علم کہلوانے کی علامت ہے۔اس میں کسی شک وشبے والی بات نہیں ہے کہ ان کے رت جگوں اور سحر خیزیوں نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا اور یہ سب قرآنی تعلیمات کا ہی ثمرہ ہے۔

اب یہ سوال کہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں تو کم محنت پرویز صاحب نے بھی نہیں کی تو کیا وجہ ہوئی کہ ان کی قابلیت کو اس لحاظ سے نہیں مانا گیا جس طرح سے کہ علامہ اقبال کو۔ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جسے موقع محل کے حساب سے مزید چھوٹا کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم پر بھی ایک دور میں شاعری کا بھوت سوار تھا۔صفحات کے صفحات بھر دیئے۔انہی دنوں قرآن کی آیات نظر سے گزریں۔جب کفار کے الزام کے جواب میں اللہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے کہ

(1) ''ہم نے اے نبی تمہیں شاعری نہیں سکھائی''

(2) وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (36:69)

(3) ''شاعروں کے بارے میں ہے کہ وہ خیالات کی مہیب وادیوں میں گھومتے رہتے ہیں۔''ان دنوں اقبال کی فکر سے بھی نئی نئی آشنائی ہوئی تھی۔تو انہیں پڑھ کر یوں لگتا کہ ہم نے تو یوں ہی لکھ دیا جو لکھا۔مر گئے تو پیچھے لوگوں کے لیے کیا چھوڑ کر جائیں گے۔ایسے ہی خود کو سمجھا بجھا کر اس نتیجے پر پہنچے کہ سارے صفحات اکٹھے کیے اور نذر آتش کر دیئے۔ ماموں جان دین و ادب کے حوالے سے ہمارے واحد استاد تھے۔ان کو پتہ چلا۔ چند ایک اشعار کی شکل میں باقیات پڑی تھیں۔ وہ پڑھیں اور خوب ڈانٹا کہ کیا جلا دیا؟ انہیں بچی کھچی شاعری میں سے نا جانے کیا اچھا لگا اور کہا کہ یہ بہت غلط کیا جو اتنی گہری باتیں جلا دیں۔خیر تب کیا کر سکتے تھے؟ تب ماموں جان نے ایک بات کہی جو یہاں سیاق و سباق کے ساتھ پیش کرنا ضروری تھا۔ اس میں کچھ ہمارے لفظ بھی شامل ہیں تا کہ بات سمجھ آ جائے۔انہوں نے کہا" پتر شاعری عام آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی اس لیے اس میں تنقید کا ڈر نہیں ہوتا۔مگر نثر سادہ ہوتی ہے اسے ہر بندہ سمجھ سکتا ہے اس لیے اس کے ناقد بھی زیادہ ہوتے ہیں۔" آپ نے دیکھا کہ کس طرح شاعر تنقید سے بچ جاتا ہے جبکہ مصنف گھیر لیا جاتا ہے۔اور جہاں تک فقرہ کسنے اور تنقید کرنے والوں کا ذکر ہے تو ہر کم علم اور دین سے دوری رکھنے والا انسان الٹے سیدھے الفاظ میں لفظوں کا ہیر پھیر کرتا نظر آئے گا۔سو ہمارا موضوعِ سخن بھی یہی ہے کہ آخر کیا وجہ ہوئی کہ تقریباً ایک ہی سوچ رکھنے والے دو انسان (اقبال اور پرویز) لوگوں کے سامنے الگ الگ فرقوں سے تعلق رکھنے والے بن گئے۔ٹھیک ہے ہر دو انسان بالکل ایک دوسرے کے ہم عکس نہیں ہو سکتے مگر سوچ میں یکسانیت ضرور ہوتی ہے۔جو ان دونوں رہنماؤں کی تعلیمات میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہے۔اول الذکر نے اگر برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا تھا تو آخر الذکر نے انہیں دوبارہ سے اسی کیفیت میں نا جانے دینے کے لیے محنت کی ہے۔ اگر اقبال نے قوم کو مخاطب کر کے شاہین کہا تو پرویز نے بھی انہیں سلیم کہہ کر پکارا۔سب سے ضروری چیز یہاں پہ یہ ہے کہ قرآنی احکامات پر غور کرنے سے جو عقدہ کھلتا ہے وہ ہے عام آدمی، معاشرے کا وہ فرد جو کہ ادنیٰ بنا دیا گیا ہے اس کو انصاف ملے اور کوئی بھی سرمایہ دارانہ و جاگیر دارانہ نظام کی وجہ سے بھوکا نہ رہے۔یعنی ہر وہ طبقہ جو کمزور ہے اور جس کی شنوائی محض اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ اس کے پاس وسائل نہیں ہیں اس کو جینے کے قابل بنانا، اس کا ہاتھ تھامنا اور اسے لے کر چلنا۔ یہ ہی مشترک ہے دونوں کی تعلیمات میں جس نے ہمیں قلم اٹھانے کو فورس کیا۔علامہ پرویز کی تصانیف میں جا بجا بھوکوں اور معذور طبقے کو لے کر انتہائی ہمدردانہ تصاویر نظر آئیں گی۔آیئے موازنہ کرتے ہیں دونوں ناخداؤں کی پیش کردہ تعلیمات کا اور پھر انصاف کا ترازو قارئین کے ہاتھ میں ہوگا کہ وہ ہمیں کس حد تک اس حوالے سے کامیاب قرار دیتے ہیں؟

علامہ اقبال نے کہا'' دنیا بھر کے علوم و فنون کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا بھر کے علوم و فنون کا آخری حل قرآنِ مجید ہے۔'' مزید فرمایا

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں   اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

علامہ پرویز نے فرمایا' اتنا اور عرض کردوں کہ میرا مسلک یہ ہے کہ دین کے معاملے میں آخری سند قرآن سے ملتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح سے حاذق حکما کی طرف سے قرآن کی سند کو مانا گیا ہے۔

سب سے زیادہ دکھ تب ہوتا ہے جب دوسرے آپ کے بارے میں جانتے ہیں کہ آپ کس قسم کے انسان ہیں پھر بھی اسی حوالے سے آپ پر شک کیا جائے۔ مثال کے طور پر آپ جھوٹ نہیں بولتے مگر پھر بھی کسی بات کے بیان کرنے پر اگلا آپ سے یہ کہہ دے کہ ''سچ بتاؤ کیا ایسا ہی ہے؟'' تب لگتا ہے کہ عمر بھر کی کمائی پر پانی پھر گیا۔ یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب علامہ پرویز کی حیات میں کوئی ان کی تعلیمات پر آوازے کستا ہوگا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ قرآن کے زیرِ اثر اس نہج پر ہیں جہاں وہ کسی کو یہاں تک کہ مفلسی میں بھوکا نہیں دیکھ سکتے (یعنی انسانوں کے لیے اس قدر دردِ دل کے مالک ہو گئے ہیں) پھر بھی کوئی ان کے خلوص پر شک کرتا ہوگا تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ مانا کہ ہر انسان کامل نہیں ہوتا۔ مگر کچھ انسان اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے بزرگی والے ضرور ہو جاتے ہیں۔ جو کہ علامہ پرویز کو ودیعت کر دی گئی تھی۔

موصوف علامہ اقبال سے آخری ملاقات کا احوال درج کرتے ہیں۔ جو کہ ان کی علالت میں ہوئی تھی۔ اور اس ملاقات کا احوال وہ اپنی ڈائری میں سے نقل کر کے بتاتے ہیں۔ یاد رہے جس کے پاس جو ہوتا ہے وہ ہی آگے منتقل کرتا ہے اور لینے والا بھی اسی کے پاس جاتا ہے جہاں اسے اپنے مطلب کی باتیں ملیں گی۔ انسان پیاسا صرف پانی کا ہی نہیں ہوتا اسے اور بھی بہت سی آرزو مندیاں ہوتی ہیں۔ جیسے مے کے شوقین میخانے میں ملیں گے، رزق کے متلاشی مختلف جگہوں پہ تلاشِ رزق میں سرگرداں، پرندے وہیں بولیاں بولتے ہیں جہاں کھانے کو کچھ ملتا ہے اور اہلِ ذوقِ علم اپنے ہم نشیں کے ساتھ ہر اس محفل میں جہاں حقیقی علم کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہاں ایک ہی ذہنیت کے دونوں حضرت اکٹھا ہیں۔ آپس میں گفتگو ہوئی۔ جس کا احوال درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پھر قرآن کے متعلق ذکر آ گیا۔ فرمایا کہ جب میں ایف۔ اے میں پڑھتا تھا تو صبح کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ والد مسجد سے نماز پڑھ کر آتے تو کبھی منزل ختم کر چکا ہوتا تو کبھی جاری ہوتی۔ ایک دن آ کر پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھتے تھے؟ مجھے حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی کہ چھ مہینے ہو گئے روز دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم پڑھتا ہوں۔ پھر یہ سوال کیسا۔ نہایت نرمی سے فرمایا کہ میں پوچھتا ہوں کہ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ اب میرا استعجاب اور غصہ جاتا رہا اور فرمایا کہ کچھ عربی جانتا ہوں کہیں سے سمجھ آجاتا ہے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ کوئی چھ ماہ بعد ایک دن لے کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بیٹا قرآن اسی کی سمجھ میں آ سکتا ہے جس پر یہ نازل ہوتا ہے۔ میں حیران تھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے بعد قرآن کریم کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ فرمایا کہ یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ قرآن کریم حضور ﷺ کے بعد اب کسی پر نازل ہی نہیں ہو سکتا؟ میں پھر حیران تھا۔ فرمایا کہ انسانیت کو جس معراج پر پہنچانا فطرت کا مقصود ہے اس کا نمونہ ہمارے سامنے محمد ﷺ کی صورت میں پیش کر دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر ایک نبی محمد ﷺ ہی کے مختلف مدارج تھے۔ وہ سلسلہ گویا

(MUHAMMAD IN THE MAKING) تکمیلِ محمد ﷺ کے منازل تھے۔ بنیادی اصول ہر جگہ ایک تھا۔ البتہ شعورِ انسانی کی ارتقاء کے ساتھ ساتھ فروعات کی تکمیل ہوتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ محمد ﷺ مکمل ہو گئے۔ بابِ نبوت بند ہو گیا۔ انسانیت اپنے معراج کبریٰ تک پہنچ گئی۔ اب ہر انسان کے سامنے معراجِ انسانیت کا نمونہ محمد ﷺ ہے۔ کوئی انسان جتنا محمدیت ﷺ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، اتنا ہی قرآنِ کریم اس پر ''نازل'' ہوتا جاتا ہے۔ یہ مفہوم تھا میرے کہنے کا کہ قرآن کریم اسی کی سمجھ میں آسکتا ہے جس پر یہ نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔'' یہ علامہ اقبال کے والد کے الفاظ ان کے منہ سے ادا ہوئے اور ان کو ہم تک علامہ پرویز نے پہنچایا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انہوں نے ان کو مانا تو ہی آگے پہنچایا۔ ماموں جان اور میری اکثر رات گئے تک بات چیت ہوتی تھی۔ کئی بار موضوع کی مناسبت سے کوئی ایک آدھ شعر ہماری طرف سے ہو جاتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے ''پتر تیرے شعر بڑے کمال ہندے نیں مینوں بڑے پسند آندے نیں'' (پتر تمہارے شعر بڑے کمال کے ہوتے ہیں مجھے بڑے پسند آتے ہیں۔ میں نے ایک بار کہہ دیا ماموں جی یہ میرے نہیں ہیں ان کے شاعر تو کوئی اور ہوتے ہیں۔ کہنے لگے ''ادا تو تمہارے منہ سے ہوتے ہیں، انتخاب تو تمہارا ہے نا۔ کوئی شخص کوئی بھی بات کہتا ہے وہ چاہے کسی کی بھی لائن ہو ادا کرنے والے کی ہو جاتی ہے۔'' یعنی جس قسم کی ذہنیت ہوتی ہے اسی قسم کی ادائیگی ہوتی ہے، حتیٰ کہ انسان مطالعہ بھی اسی کا کرتا ہے۔ تو جو انسان تمام عمر اسی کوشش میں متحرک رہا کہ قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچ جائے اسی انسان پر اگر اس کی قوم کی طرف سے فتوے لگائے جائیں کہ جن کی آسان زندگی اور انصاف کے حصول کے لیے وہ دن رات تحقیق کرتا ہے۔ وہ بے بسی کی اذیت کی کس منزل پر ہوگا۔ جس شخص نے ملکِ پاکستان کی بنیادیں مفکرِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے ساتھ مل کر بنائیں اور پھر ان کو ہموار کیا آنے والی نسلوں کے لیے۔ بے لوث، بے غرض۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم ﷺ کی حمایت میں فرماتا ہے کہ مفہوم: ''یہ تم سے اس دعوتِ توحید کے بدلے میں کچھ نہیں مانگتا۔'' یوں ہی انہوں نے ہمارے لیے شبانہ روز محنت کی اور ہم نے انہیں یوں پسِ پشت ڈالا کہ اللہ کی پناہ۔ میں نے اسی سلسلے میں اپنے علاقے کے ایسوسی ایٹ ڈگری کالج کی انتہائی قابلِ احترام لائبریرین کو کال کی۔ میں نے کہا میم کیا لائبریری میں علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی کتابیں ہیں؟ کہنے لگیں یہ نام تو میں پہلی بار سن رہی ہوں۔ اندازہ لگائیں ہم نے اصل ہیروز کے ساتھ کیا کیا؟ حالانکہ اسی لائبریری میں علامہ اقبال کی ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ مگر فایدہ کیا جب انہیں سمجھانے والا ادھر موجود نہیں۔ کہاں کمی رہی کہاں زیادتی ہوئی یہ کفر کے فتوے شروع سے کس کی طرف سے لگائے گئے؟ اسی کی طرف سے جس کو اپنے مسلک کے چھوٹنے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے کہا یہ مردِ حق جو کچھ عوام الناس کو بتا رہا ہے اس کی وجہ سے وہ دن دور نہیں جب میرا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا کیوں نا اسی کے خلاف بھولی بھالی عوام کو بھڑکایا جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو آج آپ کے سامنے ہے۔ جب کوئی شخص حق بات کہتا ہے تو اس کا سب سے زیادہ نقصان اسی کو ہوتا ہے نا کہ جس نے غلط نظریات پھیلا کر لوگوں کو لوٹنے کا دھندہ بنایا ہوتا ہے۔ پھر جب لوگوں میں شعور آجائے گا تو ان کو کون پوچھے گا؟

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق
ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن و بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویز کی تصانیف 2024

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		5000
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد۔ دو جلدوں میں)		5500
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		7500
تبویب القرآن (مجلّد)		5500
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ ـــ سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)		
مطالب الفرقان (جلد اول)	800	1600
مطالب الفرقان (جلد دوم)	800	1600
مطالب الفرقان (جلد سوم)	800	1600
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	800	1600
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	*	1600
مطالب الفرقان (جلد ششم)	800	*
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	Out Of Print	
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	800	*
ابلیس و آدم	800	1600
جُوئے نور	800	*
برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)	800	1600
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰؑ کی داستان)	*	1600
معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ)	1000	2000

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں	700	1400
انسان نے کیا سوچا؟	800	1600
اسلام کیا ہے؟	700	1400
کتاب التقدیر	800	1600
جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	*	1600
شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروقِ اعظمؓ)	1000	2000
نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	800	1600
تصوف کی حقیقت	800	1600
قرآنی قوانین	700	1400
سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	700	1400
سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	*	1400
سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	*	1400
طاہرہ کے نام خطوط	700	1400
ختمِ نبوت اور تحریکِ "احمدیت"	600	1200
حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائدِ اعظمؒ)	*	600
اقبالؒ اور قرآن (اول۔ دوم)	800	1600
مجلسِ اقبالؒ۔ اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی)	800	1600
مجلسِ اقبالؒ۔ دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد ...)	Out Of Print	
قائدِ اعظمؒ کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	700	*
بہارِ نو (مجموعۂ مقالات و خطبات)	700	1400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
ISLAM: A Challenge to Religion	1000	2000
Exposition of the Holy Quran	*	5500
The Book Of Destiny	1000	2000
Reasons for Decline of Muslims	*	800
Islamic Way of Living	400	800
Letters to Tahira	*	1500
Quranic Laws	*	1500
The Quranic System of Sustenance	*	1500
Did Quaid-e-Azam Want to Make Pakistan a Secular State?	*	500
اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	350	700
اسبابِ زوالِ امت	350	700
جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	600
خدااور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	600	1200
سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	700	1400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	700	*
متفرق کتب		
مقامِ حدیث	700	1400
قرآنی فیصلے (جلداول)	800	*
قرآنی فیصلے (جلددوم)	800	1600
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	600
مزاج شناسِ رسول	600	1200
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	Out Of Print	
The Best Of A.S.K. Joommal	*	2000
The Pakistan Idea	*	700
Woman - Recreated	*	700
The Bible - Word of God or Word of Man	*	800
The Holy Quran and our Daily Life	*	800

کتابیں ملنے کا پتہ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25/بی، گلبرگ 2، لاہور

Whatsapp: **0300-5842023, 042-35753666**

tolueislam@gmail.com
www.islamicdawn.com

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جاسکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان وکائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.77
ISSUE
07

Monthly **TOLU-E-ISLAM**

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/talueislam/ www.youtube.com/idaratolueislam

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ
إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

کیونکہ اُس وقت نہ تو کسی کا مال اُسے کچھ فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ ہی اولاد۔
اُس وقت، فلاح و بہبود اسی کے حصے میں آئے گی جو "قلبِ سلیم" لے کر خدا کے سامنے جائے گا۔ (جو اپنے اختیار و ارادہ، خواہشات اور آرزوؤں کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا ہوا رکھے گا۔ جو ان قوانین سے کبھی سرکشی اختیار نہیں کرے گا) (37:85)۔ (مفہوم القرآن از پرویز، سورۃ الشعراء:88-89)